دولت اور غربت

اسلام کی نظر میں

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری
مہتمم جامعہ عربیہ احیاء العلوم (؟) مبارک پور

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دولت اور غربت

اسلام کی نظر میں

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نواده مبارکپور

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

PH: 223294(0) 224556(R) Fax:(01336-222491

تفصیلات

جملہ حقوق محفوظ ہیں

- نام کتاب • دولت اور غربت اسلام کی نظر میں
- سن اشاعت جدید طباعت • اکتوبر ۲۰۰۴ء
- قیمت •
- ناشر • کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
- مطبوعہ • بی۔ کے آفسیٹ پریس دیوبند
- کمپیوٹر کتابت • واصف حسن ایکوریٹ کمپیوٹر دیوبند

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (انڈیا)

فون:۔ آفس 223294 رہائش 224556 فیکس فون:۔ 222491(01336)

فہرست مضامین

انتساب	۵
کچھ اس ایڈیشن کے بارے میں	۶
عرض مصنف	۷
مال و دولت اسلام کی نظر میں	۱۰
دولتمندی ایمان کے منافی نہیں	۱۴
مال کمانے کی اجازت	۱۵
انسان جو کمائے وہ اس کی ملکیت ہے	۱۸
کمائی حلال ہونی چاہئے	۲۰
حصول دولت کے جائز ذرائع	۲۲
حصول دولت کے ناجائز طریقے	۲۴
دولتمندی کی پسندیدہ صورت	۲۸
دولت کو جمع کر کے رکھنا گناہ ہے	۳۳
مال خرچ کرنے کے فضائل	۳۵
دولت کو خرچ کرنے کی جگہیں	۳۷
دولت خرچ کرنے کے ضوابط	۴۱
اللہ تعالیٰ بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا چاہتے ہیں	۴۶
اسراف اور فضول خرچی	۵۰
دولتمندی کی ناپسندیدہ صورت، دنیاداری	۵۴
دولتمندی قرب الٰہی کی دلیل نہیں	۵۹
مال کی محبت کم کرنے کا طریقہ	۶۰
علماء کو دنیادار دولت مندوں سے الگ تھلگ رہنا چاہئے	۶۴

غربت و ناداری دین میں پہل کرنے والے غرباء ہیں	۶۸
فقر و غربت کا مطلب	۷۱
فقراء تصوف کی اصطلاح میں	۷۲
دنیا خدا کے نزدیک نہایت حقیر چیز ہے	۷۴
آرزوئیں اور تمنائیں کم کی جائیں	۷۶
قلت مال باعث امن وراحت	۷۹
مال کی کثرت فتنہ وفساد کا ذریعہ	۸۱
دنیا سے بے رغبتی ضروری	۸۳
قناعت وتوکل کے فضائل	۸۶
فقراء کے فضائل ومناقب	۹۰
فقر وغنا میں افضلیت کی بحث	۹۴
حضورؐ کے گھر کا حال	۹۹
صحابہ کرامؓ کی مثالیں	۱۰۶
غرباء کی تذلیل خدا کی ناراضگی کا سبب	۱۱۴
مانگنے کی ممانعت واجازت	۱۱۸
مسلمانوں کا اصل مسئلہ	۱۲۸

انتساب

والدِ محترم حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کی تمنا تھی کہ میں علم دین کی تحصیل و

تبلیغ کو اپنا مشغلۂ زندگی بنالوں۔

جمیل

کچھ اس ایڈیشن کے بارے میں

دولت اور غربت کے موضوع پر یہ کتاب راقم الحروف کی اُن کتابوں میں سے ہے، جن میں راقم نے اپنی فکر اور سوچ کا نچوڑ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اہلِ علم کو دعوت دی ہے کہ وہ خود بھی اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۸۲ء میں منظر عام پر آئی، لیکن ایک علمی اور فکری کتاب ہونے کی وجہ سے آہستہ روی کے ساتھ لوگوں کے درمیان پہونچی، اسی اعتبار سے اس کا پہلا ایڈیشن بھی ختم ہوا۔

اِدھر تقریباً پندرہ سال سے یہ کتاب کمیاب ہی نہیں، نایاب ہو چکی تھی۔ جن حضرات کا موضوع اقتصادیات ومعاشیات ہے، ان کی یہ دلچسپی کی چیز تھی، لہٰذا اس حلقہ کی طرف سے دوسرے ایڈیشن کا خصوصی طور پر بار بار تقاضا ہوتا تھا۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ کام مالکان کتب خانہ نعیمیہ دیو بند کے ذریعہ ہونا مقدر تھا۔ اسی لئے ارادہ وکوشش کے باوجود ٹلتا رہا۔ اور کل شئی مرھون بوقتہ کے تحت اب باری آرہی ہے یہ دوسرے ایڈیشن پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں ظاہری ومعنوی خوبیوں سے زیادہ مرصع ومزین ہے اور کتب خانہ نعیمیہ کے مالکان کے اعلیٰ ذوق طباعت کا نمونہ ہے اس سے کتاب کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزا۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مساعیِ جملہ کو قبول فرمائے اور کتب دینیہ کی اشاعت کے جذبے کو مزید پروان چڑھائے (آمین)

جمیل احمد نذیری غفرلہٗ
جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ مبارکپور

۱۵؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
۱۰؍ستمبر ۲۰۰۴ء چہار شنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مصنف

دولت مندی اور غربت انسانی زندگی کے دو اہم پہلو ہیں، حق بات تو یہ ہے کہ انسانی زندگی کی ساری تگ ودو انھیں دو محوروں کے گرد گھوم رہی ہے، کمیونزم یا دوسرے اس سے ملتے جلتے ازم یہ باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں کہ انسان کا سب سے اہم مسئلہ روٹی، کپڑے اور مکان کا ہے، اس کے بالمقابل اسلام نے ان مسائل کو اگر چہ اہمیت دی ہے مگر انھیں سب سے اہم مسئلہ قرار نہیں دیا ہے، اسلام کے نزدیک انسان کا سب سے اہم مسئلہ اس کی آخرت کے سنورنے اور سدھرنے، اخلاق وکردار کے بلند ہونے اور اسلامی تشخص کے برقرار رہنے کا ہے پیٹ بھرنے کے لئے روٹی، تن ڈھکنے کے لئے کپڑا، اور سر چھپانے کے لئے مکان خواہ ہو یا نہ ہو، مسلمان کو اس کی فکر نہیں ہونی چاہئے، اصل فکر جو ہونی چاہئے وہ صرف یہ کہ آخرت کا مسئلہ حل ہورہا ہے یانہیں؟ دینی تشخص وامتیاز برقرار ہے یانہیں؟ صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کی زندگیوں سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ انھوں نے ہمیشہ فکرِ آخرت کو اپنا سب سے اہم مسئلہ سمجھا، اور اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش وجدوجہد کرتے رہے اور اس سے بالکل بے پرواہو گئے کہ معاش کا بھی مسئلہ حل ہوتا ہے یانہیں۔

ہمارے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمارے اسلاف نے ''مسئلہ معاش'' کا کوئی انتظام ہی نہیں کیا، بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ انھوں نے ''مسئلہ معاش'' کو بس زندگی کی برقراری کی حد تک اہمیت دی، لیکن اس کے نام زندگی کو وقف نہیں کیا، گویا وہ فارسی زبان کے اس مقولے پر کاربند رہے کہ ''خوردن برائے زندگی است نہ زندگی برائے خوردن'' (کھانا زندگی کے لئے ہے نہ کہ زندگی کھانے کے لئے)۔

چنانچہ سلف صالحین میں دولتمندی کے بھی نمونے موجود ہیں اور غربت و ناداری

کے بھی، لیکن انھوں نے دولتمند اور صاحبِ مال ہونے کی صورت میں مال ومنال کو دنیاداری، عیش پرستی اور خدافراموشی کا ذریعہ نہیں بنایا، اسی طرح غربت وناداری کی صورت میں جزع، فزع اور بے قراری وگھبراہٹ ظاہر کر کے صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اگر انھیں اللہ تعالیٰ نے دولت سے نوازا تو دولت میں اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرتے رہے، اور اگر فقیری وافلاس، تنگ دستی وفاقہ کے دور سے گزرنا پڑا تو اسے بھی اپنے حق میں اللہ کی ایک نعمت سمجھا اور کبھی بھی ناشکری وبے صبری کا کلمہ زبان پر نہیں لائے۔

اسلام نے دولت کمانے اور مال حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، حصول دولت کے ذرائع اور طریقے بھی بتائے ہیں ان طریقوں کی بھی نشاندہی کی ہے جو اس کی نظر میں ناجائز ہیں، اس کے بعد دولت کو خرچ کرنے کی جگہیں اور اس کے مصارف بھی بیان کئے ہیں، دولت کو جوڑ جوڑ کر رکھنا اور بخل وکنجوسی کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام نے یہ بھی بتادیا ہے کہ بذاتِ خود حصولِ دولت کا نام دنیاداری نہیں ہے البتہ اس میں دنیاداری کے طریقے اپنانا غلط ہے، یہیں سے راستہ دنیاداری کی طرف مُڑ جاتا ہے جس کی اسلام نے ممانعت کی ہے، حصولِ مال میں اگر اسلامی اصول وضوابط کا لحاظ رکھا جائے تو دولت اور دولتمندی عینِ اسلام بن جاتی ہے جو اصل منشاءِ مقصود ہے اس انداز میں حصولِ دولت کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ پرزور الفاظ میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

غربت وافلاس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، اگر غریب ونادار صبر وشکر اور ضبط سے لے تو یہ چیز اس کے لئے ترقیِ درجات کا سبب بن جاتی ہے اور بعض اوقات وہ دینی دولتمند سے بھی بازی لے جاتا ہے، لیکن اگر وہ جزع وفزع کرلے اور اپنے اوپر گھبراہٹ وبے قراری طاری کرلے، بے صبری اور ناشکری ظاہر کرے، تو یہ فقر اور ایسی غربت بھی خطرناک بن جاتی ہے اس کی خطرناکی کا یہ عالم ہوجاتا ہے اس کا دین تک خطرے میں پڑ جاتا ہے، ایسے ہی فقر وتنگدستی سے حضور ﷺ نے پناہ

مانگی ہے اور اسی کے متعلق فرمایا ہے۔

كَادَ الفقرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفراً قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے۔

دولت اور غربت دونوں کے دورُخ ہیں، ایک قابلِ تعریف، دوسرا قابلِ مذمت، زیرِ نظر کتاب میں راقم الحروف نے دونوں کے دونوں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، اس ضمن میں دولت اور غربت کے دیگر متعلقات بھی زیرِ بحث آگئے ہیں، امید ہے کہ اہلِ علم حضرات پسندیدگی کی نظروں سے دیکھیں گے، اور موضوع سے متعلق جو باتیں قابلِ اصلاح ہوں گی، ان سے مطلع فرمائیں گے۔

كَانَ اللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا دَامَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ.

جمیل احمد نذیری

۳؍ ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ بروز شنبہ

مال ودولت اسلام کی نظر میں

دولت اور غربت خدا کی دین

دنیا میں امیری اور فقیری، دولتمندی اور غربت، سرمایہ داری ونا داری خدا کی دین ہے، خدا کے عطا کئے بغیر نہ کوئی شخص دولتمند ہوسکتا ہے اور نہ خدا کے حکم کے بغیر نادار وغریب، رزق کی تنگی وکشادگی، مال ودولت کی فراوانی اور کمی انسان کے اپنے بس کی بات نہیں، یہ سب خدائے حکیم ودانا کی حکمت اور اس کے تدبیر وتقدیر کے تابع ہے، خدائی مقدرات سے الگ ہوکر نہ کوئی غریب ہوسکتا ہے نہ امیر۔

یہ حقیقت قرآن مجید میں کئی مقامات پر واضح کی گئی ہے، سورۂ انعام میں ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ ط.

ترجمہ:۔ اور اسی نے تم کو نائب بنایا ہے زمین میں اور بلند کردیئے تم میں درجے ایک کے ایک پر تا کہ آزمائے تم کو ان چیزوں میں جو اس نے تم کو عطا کیں۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

''یعنی تمہارے آپس میں بے حد فرقِ مدارج رکھا، چنانچہ شکل وصورت رنگت لہجہ، اخلاق وملکات، محاسن ومساوی، رزق، دولت، عزت وجاہ وغیرہ میں افرادِ انسانی کے بے شمار درجات ہیں''(۱)

ایک دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ط. (بنی اسرائیل. ۲۱)

ترجمہ:۔ دیکھو! کیسا بڑھا دیا ہم نے ایک کو ایک سے، اور آخرت میں اور بڑے درجے ہیں، اور بڑی فضیلت ہے۔

(۱) ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ حاشیہ آیت ہذا ۱۳۱

مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیاوی زندگی میں مال ودولت، غربت وناداری اور آل واولاد کے اعتبار سے تفاوت اور درجے قائم ہیں، اسی طرح آخرت میں بھی اعمال کے مطابق افضل واعلیٰ نیز ادنیٰ وکمتر کے درجات قائم ہوں گے، اور دنیا کے مقابلے میں آخرت میں درجات کا تفاوت بہت زیادہ ہوگا۔

کفارِ مکہ نے حضور اقدس ﷺ کی رسالت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی دولتمند پر اُترنا چاہئے، یہ کیسے یقین کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت ونبوت کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کیا ہے جو مال ودولت اور ریاست وسرداری کے لحاظ سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ مشرکین کے اس اعتراض کے جواب میں قرآن کی درج ذیل آیت نازل ہوئی۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ط وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ہ (زخرف۔۳۲)

ترجمہ:۔ کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی رحمت (ونبوت) کو ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی ان کی دنیا کی زندگانی میں اور بلند کردیئے درجے بعض کے بعض پر تاکہ ان میں سے بعض بعض لوگوں سے کام لیں، اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ لوگ جمع کررہے ہیں۔

علامہ شبیر عثمانیؒ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

یعنی نبوت ورسالت کا شرف تو ظاہری مال وجاہ اور دنیوی ساز وسامان سے کہیں اعلیٰ ہے، جب اللہ نے دنیا کی روزی ان کی تجویز پر نہیں بانٹی، پیغمبری ان کی تجویز پر کیوں کردے''(۱)

اسی آیت کے تحت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ،'' خدا نے کسی کو غنی کسی کو فقیر کردیا، ایک کو بے شمار دولت دیدی، ایک کو اس سے کم، کوئی تابع ہے کوئی متبوع''(۲)

(۱) ترجمہ حضرت شیخ الہند حاشیہ آیت زیر بحث ۱۲ (۲) حوالہ مذکورہ ۱۲

رزق میں تنگی اور کشادگی اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ٥ (آیت ۔ ۳۰)

ترجمہ:۔ تیرا رب کشادگی سے دیتا ہے رزق جس کو چاہتا ہے اور تنگی کے ساتھ دیتا ہے جسے چاہے وہی ہے اپنے بندوں کو جاننے والا، دیکھنے والا۔

اس آیت کے تحت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

''یعنی ہر ایک بندے کے ظاہری و باطنی احوال و مصالح سے خبردار ہے، اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے، حدیث قدسی میں فرمایا کہ میرے بعض بندے وہ ہیں جن کی دوستی حال فقیر رہنے میں ہے، اگر میں ان کو غنی کر دیتا تو ان کا دین تباہ ہو جاتا ہے، اس کے برعکس بعض وہ بندے ہیں جن کو غنی بنایا، اگر فقیر بنا دیا جاتا تو دین پر قائم نہ رہ سکتے، اس کے علاوہ بعض اشقیاء کے حق میں غناء ظاہری محض امہال و استدراج کے طور پر یا فقر و تنگدستی عقوبت اور سزا کے طریقے سے ہے''(۱)

سورۂ سبا میں یہی بات یوں بیان کی گئی ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ط (آیت ۔۳۹)

کہہ دیجئے! میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے رزق کشادگی سے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی سے دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ط اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥ (شوریٰ ۔۱۲)

ترجمہ:۔ اس کے پاس آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں کشادگی سے دیتا ہے رزق جس کو چاہے اور تنگی سے دیتا ہے جس کو چاہے وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے قبضہ و اختیار میں ہیں، اپنے خزانہ میں سے جس کو جتنا دینا چاہتا ہے دیتا ہے، تمام جانداروں کو رزق اسی کے در سے تقسیم

(۱) ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ حاشیہ آیت ہذا ۱۲

ہوتا ہے، رزق کی تقسیم میں کمی وبیشی کا تعیُّن خدا اپنی مصلحت وحکمت کے مطابق کرتا ہے، یہ بات اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کس کو کتنا دینا چاہئے اور کب دینا چاہئے؟ رزق کی کمی وزیادتی کا جو حال ہے، اللہ تعالیٰ کی دیگر عطایا وانعامات کا بھی یہی حال ہے کہ کسی کو وافر مقدار میں حصہ ملتا ہے کسی کو تنگی کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بندے کو جو کچھ دیا ہے اس پر اسے شکر ادا کرنا چاہئے اور اپنے سے اوپر والے کو دیکھ کر جلن اور حسد نہیں کرنا چاہئے، ارشادِ خداوندی ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ط وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔ ٥ (نساء ۳۲)

ترجمہ:۔ اور تمنا مت کرو اس فضیلت کی جو اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر عطاء کی ہو۔ مردوں کے لئے حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کیلئے حصّہ ہے اپنی کمائی سے اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، بیشک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

''یعنی حق تعالیٰ جو کسی کو کسی امر میں شرافت وفضیلت اور اختصاص وامتیاز عنایت فرمائے تم اس کی ہوس اور حرص مت کرو، کیونکہ یہ بھی گویا ایسا ہی ہے کہ کسی کے خاص مال اور جان میں بلاوجہ دست اندازی کی جائے نیز اس سے باہم تباغض وتحاسد پیدا ہوتا ہے اور حکمتِ الٰہی کی مخالفت بھی لازم آتی ہے''۔

آگے لکھتے ہیں

''خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ پورا ملتا ہے، اس میں ہرگز کمی نہیں کی جاتی ہے جو کسی کو شکایت کا موقع ملے، ہاں یہ بات دوسری ہے کہ وہ اپنی حکمت اور رحمت کے مطابق کسی کو خاص بڑائی اور فضیلت عنایت کرے، اس کی حرص اور شکایت کرنی بے جا ہوس ہے، البتہ اپنے عمل کے معاوضے سے اور زیادہ ثواب وانعام مانگو تو بہتر اور مناسب ہے اس میں کچھ خرابی نہیں، تو اب جو فضل کا طالب ہو اس کو لازم ہے کہ عمل کے ذریعہ سے طلب کرے، حسد اور تمنا سے فضل کا طالب نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کو

ہر چیز کا پورا علم ہے، ہر ایک کے درجے اور اس کے استحقاق کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کے مناسب شان اس سے معاملہ کرتا ہے تو اب جس کو فضیلت عطا کرتا ہے سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے کوئی اپنی لاعلمی کی وجہ سے کیوں اس میں خلجان کرے؟(۱)

خلاصہ یہ کہ اب تک پیش کردہ آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا میں امیر وغریب اور دولت مند ونادار کی تقسیم خدا کی طرف سے مصالح وحکمت کے تحت ہے امیری اور فقیری انسانی اختیارات کی چیز نہیں بلکہ خدا کی تدبیر وتقدیر کے ماتحت ہے خدا جسے چاہتا ہے دولت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے غریب رکھتا ہے، جس بندے کے لئے جو مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے انسان کو اللہ کے اختیارات میں کوئی دخل نہیں۔

بہر حال دولتمندی بھی اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اگلی سطریں اسی بحث سے متعلق ہیں۔

دولتمندی ایمان کے منافی نہیں

اسلام کے متعلق کو بہت سی غلط باتیں ذہنوں میں جم گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال ودولت کو ایمان کے منافی سمجھا جاتا ہے، بہت سے مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ دولت کمانا اور مالدار بن جانا دنیاداری ہے اور ہر حال میں ناجائز ہے اور غریب رہنا اور غربت میں زندگی بسر کرنا ہی دینداری ہے، گویا دولتمندی کو دنیاوی جھمیلا اور دین سے ایک الگ چیز سمجھا جاتا ہے، اچھا کھانے پینے، اچھا پہننے، اوڑھنے کو دنیاداری باور کیا جاتا ہے، حالانکہ حقیقۃً ایسا نہیں ہے دنیاداری بلاشک وشبہ بُری چیز ہے، اور قرآن وحدیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے، مگر مال حاصل کرنا، دولتمند بن جانا، یا دولتمند بننے کی کوشش کرنا، یا عمدہ کھانا کھانا یا بہترین لباس پہننا اس وقت تک دنیاداری قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک اس میں دنیاداری کی خوبو نہ

(۱) ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ حاشیہ آیت زیر بحث ۱۴

پیدا ہو جائے، محض اس بات کو کہ کوئی شخص دولت کما رہا ہے، یا اچھا کھا پی رہا ہے یا عمدہ لباس پہنتا ہے، دنیا داری کہنا اسلامی تعلیمات سے قطعی ناواقفیت کی دلیل ہے۔

آئندہ سطروں میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ کون سی دولتمندی دنیاداری ہے اور کون سی دولتمندی دنیاداری نہیں، بلکہ عینِ دین داری ہے، نیز دولت کے کمانے اور خرچ کرنے کے اصول اور قوانین ضوابط کیا ہیں، اس کے علاوہ دولت اور دولتمندوں سے متعلق دیگر تفصیلات جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے انھیں بھی حتی الوسع پیش کیا جائے گا۔

مال کمانے کی اجازت

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام مال کمانے کی اجازت دیتا ہے، مال حاصل کرنے کے جو ذرائع عموماً پائے جاتے ہیں مثلاً تجارت، زراعت، ملازمت، تینوں کی نہ صرف اسلام نے اجازت دی ہے بلکہ ہرایک کے لئے الگ الگ اصول وضابطے بھی مقرر کردیئے ہیں تاکہ ہرایک اپنے حدود میں رہتے ہوئے مال حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے راہبانہ اور جوگی پن کی زندگی کو خود سے یکسر الگ کردیا ہے، ترکِ دنیا کی اسلام نے کہیں پر بھی تعلیم نہیں دی، بلکہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم دنیا ضرور حاصل کرو، مگر دنیا حاصل کرنے کے ان ذرائع کو اپناؤ اور ان اصولوں کو سامنے رکھو جو اسلام نے بتائے ہیں، اس طرح تمہاری دنیا بھی دین بن جائے گی، تمہارا اصل مقصد یہی ہے کہ اپنی زندگی کے ہر گوشے کو احکامِ دین کے سانچے میں ڈھال کر آخرت کی تیاری کرتے رہو، حدیث نبویؐ ہے۔

اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃ (الحدیث)

ترجمہ:۔ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔

رہبانیت اور ترک دنیا کی مذمت ان الفاظ میں کی گئی۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ. (حدید۔۲۷)

ترجمہ:۔ رہبانیت جسے یہود ونصاریٰ نے اختیار کیا ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔

دنیا سے فائدہ اٹھانے، رزق تلاش کرنے اور مال ودولت حاصل کرنے کی درج ذیل آیات میں صرف اجازت ہی نہیں دی جارہی ہے، بلکہ ایسا کرنے کا حکم بھی دیا جارہا ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ط

(سورہ جمعہ۔۱۰)

ترجمہ:۔ پس جب نماز ہو چکے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل ورزق کو تلاش کرو۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا. (سورہ قصص ۷۷)

تمہارا جو حصہ دنیا میں ہے اسے نہ بھول جاؤ۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ. (سورہ مائدہ ۸۷)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! خدا نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں انھیں حرام نہ کرو۔

هُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ. ط (نحل ۱۴)

ترجمہ:۔ وہی خدا جس نے دریا کو اس لئے تمہارے تابع کر دیا ہے تا کہ اس سے تازہ گوشت (مچھلی) کھاؤ اور اس سے زیور نکالو، جسے تم پہنتے ہو، اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور تا کہ تم خدا کے فضل (روزی) کو تلاش کرو۔

لوہا جو آج کے انسانوں کی ایک بہت ہی اہم ضرورت ہے، اس کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. (حدید ۲۵)

ترجمہ:۔ اور ہم نے لوہا پیدا کیا، جس میں بڑی قوت اور لوگوں کے فوائد ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى ط (ضحیٰ۔۸)

ترجمہ:۔ ہم نے آپ کو محتاج پایا تو مالداری عطا کی۔

آنحضرت ﷺ نے فقر و فاقہ سے پناہ مانگی ہے حضورؐ یوں دعا فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّانَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالفاقۃِ والْقِلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ (جامع بیان العلم جلد۲ص۱۶)

ترجمہ:۔اے اللہ میں تجھ سے محتاجگی اور فاقہ مال کی کمی اور ذلت سے پناہ مانگتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ الْھُدٰیٰ وَالتُّقٰی وَالْعَافِیَۃ والغنیٰ (حوالۂ مذکورہ)

اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری امن وعافیت اور مالداری کا خواستگار ہوں۔

خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے علماء کو مشورہ دیا ہے کہ وہ لوگوں پر بوجھ نہ بنیں بلکہ کسبِ معاش کے ذریعہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچ کا انتظام کریں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

یَامَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اِسْتَبِقُوْا الْخَیْرَاتِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَلَاتَکُوْنُوْا عَیَالًا عَلَی النَّاس . (جامع بیان العلم ج۲ص۱۵)

ترجمہ:۔اے علماء کی جماعت! بھلائی کیطرف سبقت کرو اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو، اور لوگوں پر بوجھ مت بنو۔

ابوقلابہؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ کا شکر ادا کرتے رہے، تو دنیا (یعنی مال ودولت کی تحصیل) تمہیں نہیں نقصان پہنچا سکتی۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ایک طبقہ ایسا تھا جس کا شمار اونچے درجہ کے مالداروں میں تھا، حضرت ابوبکرؓ کی ابتدائی زندگی، امیرانہ جاہ وحشم کا نمونہ تھی حضرت عثمان غنیؓ عرب کے ایک مشہور تاجر تھے۔(آپؓ کا لقب ہی غنی پڑ گیا تھا)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پاس جو دولت تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد جب میراث کی تقسیم کا نمبر آیا تو ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو اسّی اسّی ہزار درہم ملے تھے، دوسری روایت کے مطابق ہر بیوی کو تراسی ہزار درہم ملے تھے۔ حضرت زبیرؓ بھی عرب کے دولتمندوں میں تھے ان کے پاس صرف غلاموں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادوں میں سے ایک نے اپنی میراث کے حصہ کو عبداللہ بن عمرؓ کے ہاتھ ایک لاکھ میں فروخت کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے ترکہ میں سے ایک ثلث کی وصیت کی تھی جس کی مقدار چالیس ہزار درہم تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جب انتقال ہوا تو ان کے پاس ستر ہزار درہم تھے (۱)

حضرت علیؓ کی سالانہ زکوٰۃ چالیس ہزار تھی، (مسند احمد)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد تابعینؒ کا نمبر آتا ہے، ان میں بھی دولت مند موجود تھے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دولتمندی مشہور عام ہے، امام ابواللیثؒ بھی ایک بہت بڑے تاجر تھے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا لقب ہی " اَلتَّاجِرُ السَّفَّارُ" (بہت زیادہ سفر کرنے والے تاجر) پڑ گیا تھا، امام وکیعؒ ایک لاکھ سے کاروبار کیا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ قرآنی آیات اور احادیثِ نبویؐ نیز صحابۂ کرامؓ و تابعین عظامؒ کے عمل سے دولت کمانے اور مال حاصل کرنے کی اجازت ملتی ہے، قرآن وحدیث میں جگہ جگہ اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ راہِ خدا میں مال وزر وہی لٹا سکتا ہے جو صاحبِ مال ہوگا جس کے پاس دولت ہوگی ہی نہیں وہ خدا کی راہ میں دولت خرچ کیا کریگا۔؟!۔

انسان جو کمائے وہ اس کی ملکیت ہے

بلاشبہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے وہی اس کا مالک ومختار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے انسانوں کو بھی دنیا کی اشیاء کا مالک قرار دیا گیا ہے، جائز حدود میں رہتے ہوئے وہ جو کچھ کمائے گا۔ یا جو چیزیں بطور ہدیہ یا وراثت وغیرہ اس کے قبضہ میں آئیں گی وہ اس کی ملکیت قرار پائیں گی۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً (بقرہ۲۹)

ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کو پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

سورۂ اعراف میں ہے

(۱) مذکورہ بالا ساری تفصیلات جامع بیان العلم جلد دوم ص ۱۲۰ سے منقول ہیں ۱۲

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط (اعراف۔۱۰)

ترجمہ:۔ہم نے زمین میں تم کو اقتدار عطا کیا اور تمہارے لئے اس میں زندگی کے ذرائع فراہم کئے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔

اَفَرَءَ يْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ه ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ه (سورہ واقعہ۔۶۳،۶۴)

ترجمہ:۔کیا تم نے غور کیا، یہ کھیتیاں جو تم بوتے ہیں انھیں تم اُگاتے ہو یا ان کے اُگانے والے ہم ہیں۔

قرآن وحدیث میں بے شمار ایسے مقامات ہیں جہاں مال ودولت کی نسبت انسانوں کی طرف کی گئی ہے۔اور مال ودولت، کھیتی باڑی، مکانات، جائداد کو انسانوں کی ملکیت قرار دیا گیا ہے، جس سے یہ بات بالکل صاف طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ حدودُ اللہ میں رہتے ہوئے انسانوں کو کمانے کا بھی اختیار ہے اور جو وہ کمائے وہ اس کی ملکیت ہے، وہ اپنی ملکیت میں اللہ کے حدود کا خیال رکھتے ہوئے تصرفُ کر سکتا ہے۔

جن آیاتِ قرآنی سے اموال وجائداد پر انسانی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے ان میں چند یہ ہیں۔

''ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ، الّا یہ کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے تجارت ہو''۔(نساء۲۹)

''مردوں کے لئے اس مال میں سے حصّہ ہے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کیلئے اس مال میں سے حصّہ ہے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا''۔ (نساء۷)

''اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھر میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو'' (نور۔۲۷)

''کیا لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے مویشی پیدا کئے اور یہ ان کے مالک ہیں'' (یٰسین۔۷۱)

''یتیموں کا مال ان کے حوالہ کردو اور ان کے مال اپنے مال کیساتھ ملا کر نہ کھاؤ'' (نساء۲)

''اے نبیؐ! انکے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کیجئے'' (توبہ،۱۰۳)

''اور یہ کہ تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو'' (صف ۱۱)

''اور انکے اموال میں حق ہے سائل اور محروم کیلئے (ذاریات۔۱۹)

ان آیاتِ کریمہ کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جن سے نجی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے، آیات کریمہ کے علاوہ احادیثِ نبویہ کا کافی ذخیرہ بھی اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

کمائی حلال ہونی چاہئے

اسلام نے مال ودولت حاصل کرنے کی اجازت ضروری دی ہے، مگر اسے چند قیودات کا پابند کردیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ بس دولت حاصل ہونی چاہئے جیسے بھی ہو اور جس شکل میں بھی ہو، بلکہ اسلام نے دولت حاصل کرنے کے حدود بتائے ہیں، انھیں حدود میں رہ کر ہی مال ودولت حاصل کرنے کی اجازت ہے جو شخص ان حدود کی پابندی کریگا یقیناً اس کی دولت اس کے لئے دنیاوی اعتبار سے بھی نفع بخش ہوگی اور اُخروی اعتبار سے بھی رضائے الٰہی کا موجب بنے گی، لیکن جو کوئی ان حدود سے تجاوز کرے گا اور اس سلسلے میں عائد شدہ پابندیوں کو نظر انداز کردیگا تو اس کی دولت اسلام کے نزدیک خود اس کے حق میں وبالِ جان بن جائے گی۔

دولت حاصل کرنے کی سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ جائز اور حلال طریقے سے حاصل کی جائے، دولت کمانے میں ان طریقوں کو ملحوظ رکھا جائے جنھیں اسلام نے جائز اور حلال قرار دیا ہے اور ان امور سے مکمل طور سے پرہیز کیا جائے، جسے اسلام نے حرام وناجائز کہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک کمائی کو ہی قبول کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جس طرح یٰـاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً ط (اے رُسل! تم سب پاک کمائی میں سے کھاؤ، اور نیک عمل کرتے رہو) کہہ کر انبیاء کرام کو حلال کمائی کھانے کا حکم دیا ہے، اسی طرح مؤمنین کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے یٰـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (اے ایمان والو! ہم نے جو رزق تم کو عطا کیا ہے اس میں

سے پاک چیزوں کو کھاؤ) گویا کہ انبیاءِ کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مؤمنین دونوں کو ایک ہی حکم دیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ اسی حدیث میں آگے فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ایک شخص دور کی مسافت طے کر کے آتا ہے، اس کے بال غبار آلود ہو گئے ہیں وہ خود بھی بے حد پریشان ہے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگتا ہے، اور یارب، یارب کہتا ہے، لیکن دوسری طرف حال یہ ہے کہ اس کی خوراک و مشروبات حرام کمائی کے ہیں، اس کے جسم کا لباس حرام کمائی کا ہے پھر بھلا بتاؤ اس کی دعاء کیسے قبول ہو سکتی ہے؟۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی ایک دوسری روایت ہے حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَايُبَالِيْ الْمَرْءُ اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ ؟
(بخاری جلد ا ص ۲۷۶)

ترجمہ:۔ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ انسان پرواہ نہیں کریگا کہ اس نے جو کمایا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حرام مال سے صدقہ کرے تو وہ قبول نہیں ہوتا، اگر راہِ خدا میں خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں ہوتی، اگر وہ اس حرام کمائی کو چھوڑ کر مر جائے تو وہ جہنم کا توشہ ثابت ہوتی ہے۔
(مسند احمد و شرح السنہ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ (رواہ احمد) (مشکوٰۃ ج ا ص ۲۴۲)

ترجمہ:۔ جس گوشت نے حرام کمائی سے نشوونما پائی ہوگی وہ جنت میں نہیں جائیگا حرام کمائی سے پلنے والے ہر گوشت کیلئے جہنم ہی زیادہ بہتر ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے حلال کمائی کو ایک اہم فرض قرار دیا ہے۔ (مشکوٰۃ ج ا ص ۲۴۲)

---

(۱) مسلم ج ا ص ۳۲۶

حصولِ دولت کے جائز ذرائع

دولت حاصل کرنے اور مال کمانے کے دنیا میں جو طریقے پائے جاتے ہیں ان میں سے کچھ جائز ہیں اور کچھ ناجائز۔ جائز وحلال طریقوں میں سے کچھ اضطراری ہیں اور کچھ اختیاری، اختیاری طریقے عموماً تین پائے جاتے ہیں (۱) تجارت (۲) زراعت (۳) ملازمت، اضطراری دولت کے حصول کی صورت یہ ہے کہ مورث نے بطورِ ترکہ جو کچھ چھوڑا ہو وہ ورثاء کو مل جائے، یا مرنے والے نے اپنے مال کے تہائی حصہ کی وصیّت کی ہو اور جس کے لئے وصیّت کی ہو وہ اسے حاصل ہو جائے۔

تجارت

اختیاری حصولِ دولت کی پہلی شکل تجارت کی اسلام میں بڑی اہمیّت ہے قرآن شریف میں ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (نساء ۲۹)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر مت کھاؤ، مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی رضامندی سے۔

''آپس کی رضامندی'' کا جملہ اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ تجارت اور لین دین بھی وہی جائز وحلال ہے جس میں فریقین میں سے کسی کے ساتھ دھوکہ وفریب نہ ہو رہا ہو، نہ کوئی ایسی چال ہو کہ فریقِ ثانی اگر جان جائے تو معاملت سے انکار کر دے۔

حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء و صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی جلد اص ۱۴۵)

ایک دوسری حدیث میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ''تاجروں کا حشر فساق وفجار کے ساتھ ہوگا، مگر ان میں وہ تاجر شامل نہیں ہیں جو اللہ سے ڈریں، لوگوں کیساتھ نیک معاملہ کریں، اور سچ بولیں'' (حوالہ مذکورہ)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حصولِ دولت کا سب سے بڑا ذریعہ تجارت ہے مشہور ہے کہ تاجر اپنی تنخواہ خود مقرر کرتا ہے جتنی وہ اپنی تجارت میں محنت کریگا اتنا ہی اسے نفع ہوگا، اس کی دولت میں اضافہ ہوگا، حصولِ دولت کے تمام ذرائع میں اسلام نے تجارت کو سب سے اچھا اور سب سے عمدہ ذریعہ قرار دیا ہے۔

تجارت کی ایک ذیلی شاخ صنعت وحرفت اور دستکاری بھی ہے، یہ بھی حصولِ دولت کا ایک اہم ذریعہ ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

مَااَکَلَ اَحَدٌ طَعَاماً قَطُّ خَیْراً مِنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ وَاَنَّ نَبِیَ اللّٰهِ دَاؤدَعَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ یَأ کُلُ مِن عَمَلِ یَدِہٖ (بخاری جلد اص ۲۷۸)

ترجمہ:۔کسی نے اس شخص سے بہتر کھانا نہیں کھایا جس نے اپنے ہاتھوں کے کام سے کھایا اور بیشک اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے کام سے کھاتے تھے۔

دوسری حدیث میں ہے حضرت رافع بن خدیجؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا گیا۔

اَیُّ الْکَسْبِ اَطْیَبُ؟ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلِّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ.
(منتخب کنزالعمال)

ترجمہ:۔کون سی کمائی سب سے زیادہ پاک ہے؟ حضورؐ نے فرمایا آدمی کے اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر بیع مبرور ہے۔ (۱)

زراعت

حصولِ دولت کی ایک شکل زراعت اور کھیتی باڑی ہے، کھیتی باڑی نیز باغبانی کے ذریعہ انسان بہت کچھ مال و دولت کمالیتا ہے، شریعت نے زراعت کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ حکم دیا ہے کہ جس کے پاس کھیت ہو وہ اس میں کاشت کرے اور جو خود کاشت نہ کرنا چاہے تو کھیت دوسرے کو دیدے تاکہ زمین بے کار نہ پڑی رہے،

(۱) بیع مبرور ہر اس بیع کو کہتے ہیں جو خیانت وفریب اور شرعی نقطۂ نظر سے ہر قسم کی قباحت اور شناعت سے پاک ہو۔ ۱۲

دوسرا شخص اسے لینے کے بعد جوتے، بوئے۔

فرمانِ رسالت ہے۔

مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرِعْهَا اَوْيَمْنَحْهَا اَخَاهُ اَبىٰ فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهُ

(بخاری کتاب المزارعۃ ج ۲ ص ۳۱۵)

ترجمہ:۔جس کے پاس کوئی زمین ہو اسے چاہئیں کہ خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو دیدے، لیکن وہ نہ دینا چاہے تو اپنی زمین کو روکے رکھے۔

ملازمت

انسانوں کا ایک بڑا ذریعۂ معاش و ذریعۂ حصول مال ملازمت بھی ہے شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے، آدمی جس کے یہاں ملازم ہے اور خود اس ملازم دونوں کے حقوق کو ادا کرنے کا ایک دوسرے کو ذمہ دار بنایا ہے، دونوں کو ایک دوسرے کا خیر خواہ بننے کی تلقین کی ہے۔ (۱)

میراث و وصیّت

اضطراری طور پر حصولِ دولت کا ذریعہ اسلام نے میراث و وصیّت کو قرار دیا ہے، مورث کے مرنے کے بعد اس کی دولت و جائداد کے مستحق اس کے ورثاء ہوجاتے ہیں، اور اپنے حصہ کے مطابق اسے تقسیم کرلیتے ہیں۔ مورث اگر چاہے تو اپنے ترکہ میں سے تہائی میں ورثاء کے علاوہ کیلئے وصیّت کرسکتا ہے (۲)

اور جن لوگوں کیلئے اس نے وصیّت کی ہوگی وہ اس کی جائداد کے وصیّت کے مطابق مالک قرار پائیں گے۔

حصولِ دولت کے ناجائز طریقے

اوپر حصولِ دولت کے جائز طریقوں کی جانب اجمالی طور پر اشارہ کیا گیا، حصولِ دولت کے کچھ ناجائز اور حرام طریقے بھی ہیں، نیچے کی سطروں میں انھیں بھی مختصراً بیان

(۱) مشکوۃ المصابیح جلد دوم ص ۲۹۰ باب النفقات وحق المملوک میں اس مضمون کی بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں، ۱۲ (۲) مورث ورثاء کیلئے وصیّت نہیں کرسکتا، اور اگر کردے تو نافذ نہ ہوگی، نیز تہائی مال سے زیادہ کی اگر وصیت کرجائے تو وہ بھی نافذ نہ ہوگی ۱۲"

کیا جار ہا ہے۔

(۱) سورۂ بقرہ میں ارشادِ خداوندی ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْآ اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ع٥ (آیت۔۱۸۸)

ترجمہ:۔اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر مت کھاؤ اور نہ انکو حکام کے سامنے پیش کرو، تاکہ لوگوں کے مال کو جانتے بوجھتے گناہ کیساتھ کھاجاؤ۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حکام کے سامنے پیش کرنے سے مراد یہ بھی ہے کہ دوسرے کے مال وجائداد پر اپنی ملکیت جتا کر جھوٹا دعویٰ حکام کے پاس لے جائے اور رشوت دیکر دوسرے کی ملکیت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش کی جائے۔

(روح المعانی ص۶۰ ج۲)

اسی مضمون کی ایک حدیث بھی ہے جس میں جھوٹا دعویٰ دائر کرکے اور چکنی چپڑی باتیں کرکے غاصبانہ ملکیت حاصل کرلینے والے کے مال کو جہنم کا ٹکڑا کہا گیا ہے حضورؐ نے فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّهٗ يَاْتِيْنِي الْخَصَمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسَبُ اَنَّهٗ صَادِقٌ فَاَقْضِيْ لَهٗ بِذَالِكَ فَمَنْ قُضِيْتَ لَهٗ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْيَاْخُذْهَا اَوْلِيَتْرُكْهَا. (بخاری جلد۲ص ۱۰۶۵ مسلم جلد۲ص۷۴)

ترجمہ:۔میں ایک انسان ہی ہوں، میرے پاس فریق مقدمات لیکر آتے ہیں، ایسی صورت میں ممکن ہے کہ تم میں کوئی فریق دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہو، اور اس کی چرب زبانی کیوجہ سے اسے سچا سمجھ لوں اور مقدمہ کا فیصلہ اسی کے حق میں کردوں، تو نادانستگی میں میرے اس فیصلہ کی وجہ سے وہ مال اس کیلئے حلال نہیں ہوجاتا بلکہ وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے، چاہے تو لے لے، چاہے تو چھوڑ دے۔

(۲) یتیموں کے مال کو ہڑپ کر جانا، اسے اپنا مال سمجھ کر اڑانا، یہ سب چیزیں بھی حصولِ دولت کے ناجائز طریقوں کے تحت آتی ہیں۔ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا. ع ٥ (نساء۱۰)

ترجمہ:۔ جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔

(۳) امانتوں میں خیانت کر کے بھی دولت کا حصول حرام و ناجائز ہے، جس کے پاس بھی کسی دوسرے نے اپنی امانت رکھی ہو، اس پر لازم ہے کہ امانت کو صاحب امانت کے جوں کے توں حوالہ کردے، اور اس میں کسی قسم کی خیانت کا ارتکاب نہ کرے۔

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِیْ اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ.

(بقرہ ۲۸۳)۔

ترجمہ:۔ پس اگر تم میں کے بعض، بعض پر اعتماد کر کے کوئی امانت رکھدیں تو جسے امانت سپردگی کی گئی ہے اسے امانت ادا کرنی چاہئے اور اللہ، اپنے رب سے ڈرنا چاہئے۔

(۴) مالِ غنیمت میں خیانت کر کے دولت کے حصول کی کوشش بھی حرام و ناجائز ہے۔

وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ.

(ال عمران ۔۱۶۱)

جو کوئی غلول (مالِ غنیمت میں خیانت) کریگا وہ اپنے خیانت کئے ہوئے مال سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا، اور ہر ایک کو اس کمائی کو پورا بدلہ ملے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو آدمی جس قسم کی خیانت کا مرتکب ہوا ہوگا وہ اسے اپنے ہمراہ قیامت کے دن لائے گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے اس آیت کا مطلب بہت واضح ہو جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے سامنے ایک شخص اس حال میں آئیگا کہ اس کی گردن پر اونٹ چڑھا ہوا بلبلا رہا ہوگا۔ وہ شخص مجھ سے کہے گا، اے اللہ کے رسولؐ! میری مدد فرمایئے" میں اس سے کہوں گا، آج میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا، میں تمہیں پہلے ہی سمجھا چکا تھا کہ غلول نہ کرنا، دوسرا شخص اس حال میں آئیگا کہ اس کی گردن پر گھوڑا چڑھا ہوا ہنہنا رہا ہوگا، وہ شخص کہے گا، "اے اللہ کے رسولؐ! میری مدد کیجئے" میں جواب دونگا آج میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا" میں تمہیں پہلے ہی سمجھا چکا تھا، تیسرا شخص اس حال میں

آئے گا کہ ایک بکری اس کی گردن پر چڑھی ''میں میں'' کررہی ہوگی، وہ مجھے دیکھ کر کہے گا اے اللہ کے رسولؐ! میری مدد کیجئے، میں جواب دونگا، آج میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا میں تمہیں دنیا ہی میں سمجھا چکا تھا، چوتھا شخص اس حال میں آئیگا کہ اس کی گردن پر کپڑ الدا ہوا ہوگا، جو ہوا میں اڑ رہا ہوگا، وہ شخص کہے گا، اے اللہ کے رسولؐ! میری مدد کیجئے میں جواب دونگا، میں آج تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا، میں تمہیں دنیا ہی میں خدا کے حکموں سے آگاہ کر چکا تھا، پانچواں شخص اس حال میں آئیگا کہ اس کی گردن پر سونا چاندی لدا ہوگا، وہ شخص مجھ سے کہے گا، اے اللہ کے رسولؐ! میری مدد فرمایئے، میں کہونگا،'' آج میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا میں پہلے ہی تمہیں سمجھا چکا تھا۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۲۲)

اس حدیث سے آیت مذکورہ کی مکمل تفسیر سامنے آگئی کہ دنیا میں جس شخص نے جس چیز میں غلول (خیانت) کا ارتکاب کیا ہوگا، قیامت کے دن وہ اس سمیت حاضر ہوگا اس وقت اسے عذاب سے نجات پانے کی کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔

(۵) ناپ تول میں کمی کر کے زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی کوشش بھی اسلام کے نزدیک سخت ترین جرم ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ہ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ہ وَ إِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ہ (سورہ مطففین ۱ تا ۳)

ترجمہ:۔ تباہی ہے ان کم تولنے والوں کے لئے، جو دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا پیمانے بھر کر لیتے ہیں، اور جب خود دوسروں کو تول کر یا ناپ کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

اسلام نے حصول دولت کے جن طریقوں کو حرام قرار دیا ہے وہ بالاختصار یہ ہیں

(۱) دوسرے کا مال اس کی رضا کے بغیر اور بلا عوض لینا یا بالعوض اور برضا یا بلا عوض اور برضا اسطرح لینا کہ رضا مندی کسی دباؤ یا دھوکے کا نتیجہ ہو (۲) رشوت (۳) غصب (۴) خیانت خواہ وہ افراد کے مال میں ہو یا پبلک کے مال میں (۵) چوری اور ڈاکہ ڈالنا (۶) مالِ یتیم میں بے جا تصرف (۷) ناپ تول میں کمی بیشی

(۸) فحش پھیلانے والے ذرائع کا کاروبار (۹) گانے بجانے کا پیشہ (۱۰) قحبہ گری اور زنا کا پیشہ (۱۱) شراب کی صنعت اور اس کی بیع اور اس کا نقل وحمل (۱۲) جوا اور تمام وہ طریقے جن سے کچھ لوگوں کا مال کچھ دوسرے لوگوں کی طرف منتقل ہونا محض بخت و اتفاق پر مبنی ہو (۱۳) بُت گری ، بُت فروشی ، اور بُت خانوں کی خدمات (۱۴) قسمت بتانے والے اور فال گیری وغیرہ کا کاروبار (۱۵) سود، خواہ اس کی شرح کم ہو یا زیادہ، اور خواہ وہ شخصی ضروریات کے قرضوں پر ہو یا تجارتی و صنعتی اور زراعتی ضروریات کے قرضوں پر" (۱)

دولتمندی کی پسندیدہ صورت

دولتمندی کی پسندیدہ صورت یہ ہے کہ بندہ حلال طریقے سے کمائے اور حلال طریقے سے ہی اسے خرچ کرلے، مال دار دولتمند ہونے کے باوجود اس میں غرور و تمکنت نہ آئے، اپنے کو بہت اونچا اور دوسروں کو خاص طور سے غرباء اور مفلسین کو حقیر وذلیل نہ سمجھنے لگے، دکھاوے اور ریاکاری سے کام نہ کرنے لگے،

جسے اللہ نے دولت دی ہو، وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہو، فقراء وغرباء یتیموں اور بیواؤں کی بھی خبر گیری، امداد واعانت کرتا رہتا ہو، کمزوروں اور سماج میں مفلوک الحال طبقے کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہو، اسے حقیر وذلیل نہ سمجھتا ہو پرہیز گار و متقی ہو، ایسا مالدار، ایسا دولتمند خدا کا بیحد پسندیدہ بندہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ (مشکوٰۃ ج۲ ص۴۵۰)

بیشک اللہ تعالیٰ ایسے بندہ کو محبوب رکھتا ہے جو پرہیز گار، دولتمند اور پوشیدہ حال ہو (یعنی خود کو ہر جگہ نمایاں کرنے کی فکر میں نہ رہتا ہو)

ایک بار حضور اقدس ﷺ کے سامنے صحابہ کرام دولتمندی اور مالداری کے بارے میں گفتگو کررہے تھے، صحابہ کرامؓ کی گفتگو سن کر حضور ﷺ نے فرمایا۔

(۱) قرآن کی معاشی تعلیمات ص ۳۱ ۱۲

لَا بَأْسَ بِالْغِنٰی لِمَنِ اتَّقَی اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَالصِّحَّۃُ لِمَنِ اتَّقٰی خَیْرٌ مِّنَ الْغِنٰی وَ طِیْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِیْمِ (رواہ احمد مشکوۃ ج ۲ ص ۴۵۱)

ترجمہ:۔ ایسے شخص کے لئے جو اللہ عزوجل سے ڈرتا ہو مالداری میں کوئی حرج نہیں ہے اور صحت وتندرستی اسی شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرے مالدری سے زیادہ بہتر ہے اور خوش مزاجی اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔

حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے کچھ سوال کیا، تو حضورؐ نے مجھے عطا کیا، میں نے پھر سوال کیا تو حضورؐ نے فرمایا:

یَا حَکِیْم! اِنَّ هٰذَا لْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلُوَّۃٌ فَمَنْ اَخَذَہٗ بِطِیْبِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِیْهِ وَ مَنْ اَخَذَہٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَّمْ یُبَارِكْ لَهٗ فِیْهِ وَ كَانَ كَالَّذِیْ یَاْكُلُ وَلَا یَشْبَعُ . (بخاری جلد ۲ ص ۹۵۳)

اے حکیم! یہ مال بڑا سرسبز اور بڑی میٹھی چیز ہے پس جو اسے سخاوتِ نفس کیساتھ لے گا، اس کے لئے اسمیں برکت ہوگی اور جو اسے طمع ولالچ کے تحت حاصل کریگا اس کے لئے اسمیں برکت نہیں ہوگی اور اس کا حال اس شخص جیسا ہوگا جو کھاتا تو ہے مگر پیٹ نہیں بھرتا۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تمہارے حکام تم میں سب سے اچھے لوگ ہوں، اور تمہارے دولتمند تم میں سب سے زیادہ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہوں، اس وقت تک زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے بطن سے بہتر ہوگی، مگر جب تمہارے کام تم میں سب سے برے ہوں، تمہارے دولتمند تم میں سب سے زیادہ بخیل ہوں اور تم عورتوں سے مشورہ لے لے کر اپنے کام انجام دینے لگو تو اس وقت تمہارے لئے زمین کا بطن اس کی پشت سے بہتر ہوگا۔ (مشکوۃ ج ۲ ص ۴۵۹)

اس حدیث میں دولتمندی کی پسندیدہ صورت یہ بتائی گئی ہے کہ دولتمند سخی اور دریا دل ہو، لیکن اگر اس میں بخل اور کنجوسی پیدا ہو جائے تو یہ دولت مندی ناپسندیدہ قرار دیدی جائے گی۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس پیسہ نہیں ہوتا مگر ان کی خواہش ہوتی

ہے کہ اگر وہ بھی مالدار ہوتے تو دوسرے متقی اور پرہیزگار امراء کی طرح راہِ خدا میں خرچ کرتے، غرباء کی امداد و اعانت کرتے، مفلسوں اور محتاجوں کی خبر گیری کرتے اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دنیا دار دولتمندوں کی عیاشیاں، کرّ وفر اور جاہ وحشم دیکھ کر تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہمارے پاس بھی دولت ہوتی تو ہم بھی اسی طرح شان وشوکت اور کرّ وفر سے رہتے، تفریح بازی اور عیاشیوں میں بے فکری کے ساتھ دن گذارتے، حضور اکرم ﷺ ان دونوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا الدُّنْيَا لِاَ رْبَعَةِ نَفَرٍ، رَزَقَهُ اللّٰهُ مَا لاً وَ عِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِىْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَ يَصِلُ رَحِمَهٗ وَ يَعْمَلُ اللّٰهَ فِيْهِ بِحَقِّهٖ فَهٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَ عَبْدٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَ لَمْ يَرْزُقْهُ مَالاً فَهُوَ صَادِقُ النِّيَةِ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِىْ مَالاً لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَاَجْرُهُمَا سَوَآءٌ، وَ عَبْدٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالاً وَ لَمْ يَرْزُقْهُ عِلْماً فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِىْ مَالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَايَتَّقِىْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَلَايَصِلُ فِيْهِ رَحِمَهٗ وَلَا يَعْمَلُ فِيْهِ بِحَقٍّ فَهٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ وَ عَبْدٌ لَمْ يَرْ زُقْهُ اللّٰهُ مَالاً وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِىْ مَالاً لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ نِيَّتُهٗ وَ وِزْرُهُمَا سَوَآءٌ (ترمذی جلد۲ص۵۶)

ترجمہ:۔ دنیا چار آدمیوں کے لئے ہے ایک وہ بندہ جسے اللہ نے مال اور علم دونوں عطا کیا، پس وہ اسمیں اللہ سے ڈرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے اور صدق دلی کے ساتھ اس میں اللہ کے حقوق کو ادا کرتا ہے پس یہ شخص سب سے افضل درجہ والا ہے۔ دوسرا وہ بندہ ہے جسے اللہ نے علم دیا ہے مگر مال عطا نہیں فرمایا، پس وہ پوری صدق نیتی کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں بندہ کی طرح نیک کاموں میں خرچ کرتا پس اس بندے اور پہلے والے بندے دونوں کا اجر برابر ہے، اور تیسرا بندہ وہ ہے جسے اللہ نے مال دیا ہے علم نہیں دیا، وہ اپنے مال کو بغیر علم کے الٹے سیدھے خرچ کرتا ہے اور اس میں اللہ سے نہیں ڈرتا ، نہ ہی صلہ رحمی کرتا، نہ ہی حق کیساتھ اسے خرچ کرتا ہے یہ شخص درجہ کے اعتبار سے سب سے بُرا ہے، چوتھا بندہ وہ ہے جسے اللہ نے نہ مال عطا کیا نہ علم، وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں شخص کی طرح (غلط راہوں پر) خرچ کرتا پس اس شخص کا گناہ اس بُری نیت کیوجہ سے تیسرے شخص کے گناہ کے برابر ہے۔

یہ حدیث اس سلسلے میں بہترین اور فیصلہ کن معیار ہے کہ کس دولتمندی کو دنیاداری کہا جا سکتا ہے اور کسے نہیں، جس نے اپنی دولت حق کے ساتھ کمائی اور حق کی راہ میں خرچ کی، اس کے ذریعہ غرباء و مساکین کی اعانت کی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بلند درجہ والا انسان ہے اور جس نے اپنی دولت غلط راہوں پر خرچ کی نہ اللہ کے حقوق کو ادا کیا نہ ہی بندوں کے حقوق کی پرواہ کی اور اپنی دولت کو نہ راہِ خدا میں خرچ کیا نہ غرباء و فقراء کی امداد و اعانت میں صرف کیا ایسے شخص کی دولت مندی سراسر دنیاداری ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ ایک شخص دولتمند اور مالدار ہونے کے باوجود دنیادار نہیں ہوسکتا، دوسری طرف ایک شخص دولتمند اور صاحب حیثیت نہ ہونے کے باوجود اپنی بُری نیت اور اپنے ارادے کی وجہ سے دنیادار بن جاتا ہے گویا دنیادار بننے یا نہ بننے میں اصل کردار دولتمندی یا غربت کا نہیں ارادہ و نیت یا عمل کا ہے جیسی نیت ہوگی نتیجہ اور انجام اسی کے مطابق برآمد ہوگا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں واضح طور پر فرمادیا کہ دنیا سے فائدہ اٹھانے والے چار قسم کے افراد ہوتے ہیں ان میں سے دو کا فائدہ اٹھانا رضائے الٰہی کا سبب بنتا ہے اور دوسرے دو کا دنیا حاصل کرنا یا حاصل کرنے کی کوشش، خدا کی ناراضگی کا موجب بنتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ فقرائے مہاجرین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! اغنیاء اور دولتمندوں نے بڑے بڑے مقامات حاصل کر لئے اور جنت میں بھی اونچی جگہ بنالی، حضورؐ نے فرمایا وہ کیسے؟'' فقراء مہاجرینؓ نے عرض کیا کہ وہ لوگ وہ نیک اعمال مثلاً نماز، روزہ جو ہم کرتے، وہ بھی کرتے ہی ہیں، اس پر مزید یہ کہ کچھ نیک اعمال ایسے ہیں جو وہ کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے، مثلاً وہ لوگ صدقہ وخیرات کرتے ہیں ہم بسبب غربت نہیں کر پاتے، اسی طرح وہ لوگ باندی، غلاموں کو آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے، لہٰذا ان

کے نیک اعمال ہمارے نیک اعمال سے بڑھ گئے،، حضورؐ نے فرمایا کہ میں تم کو ایک ایسا عمل بتاتا ہوں کہ اس کے کرنے سے کوئی تمہارے ثواب کا مقابلہ نہیں کرسکتا، الا اس شخص کے جو تمہارے ہی طرح میرے بتائے ہوئے پر عمل کرے، پھر حضورؐ نے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور ۳۴ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرْ پڑھ لیا کرو تم لوگ اغنیاء سے فضیلت میں بڑھ جاؤ گے،، چنانچہ فقرائے مہاجرینؓ خوش خوش واپس چلے گئے اور حضورؐ کی ہدایت پر عمل کرنا شروع کردیا، شدہ شدہ اس کی اطلاع اغنیاء کو بھی ہوگئی، جب انھوں نے دیکھا کہ سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور اَللّٰہُ اَکْبَرْ ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳، ۳۴ مرتبہ پڑھنے کا اتنا ثواب ہے تو انھوں نے بھی پڑھنا شروع کردیا، فقراء مہاجرینؓ پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضورؐ! ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی وہی پڑھنا شروع کردیا جو ہم لوگ پڑھا کرتے تھے'' حضورؐ نے فرمایا'' یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے اپنے فضل سے نوازدے'' (مسلم جلد ا ص ۲۱۹)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

وَ فِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ الْغَنِیَّ اَفْضَلُ مِنَ الْفَقِیْرِ اِذَااسْتَوَتْ اَعْمَا لُھُمَا نَعَمْ قَدْ ثَبَتَ اَنَّ الذَّاکِرَ لِلّٰہِ اَفْضَلُ مِنَ الْمُنْفِقِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمَّا اِذَا ذَکَرَ الْمُنْفِقُ اَیْضاً لَابُدَّ اَنْ یَّکُوْنَ اَفْضَلَ وَ اَزْیَدَ (لمعات التنقیح ج ۳ ص ۲۱۵)

ترجمہ:۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مالدار اور فقیر دونوں اعمال کے اعتبار سے برابر ہوں تو مالدار کو فقیر پر فضیلت حاصل ہے، ہاں! البتہ ذکر اللہ میں مشغول رہنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے لیکن اگر راہ خدا میں خرچ کرنے والا بھی ذکر اللہ میں مشغول رہے تو اس صورت میں مالدار افضل ہے جو دولت مند بطور تواضع اور انکساری کے نہ کہ بخل اور کنجوسی کے طور پر بہترین اور اعلیٰ درجہ کا لباس پہننا چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ ایسے دولت مند کو بزرگی و شرافت کا لباس پہنائے گا ارشاد نبویؐ ہے۔

مَنْ تَرَکَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَ ھُوَ یَقْدِرُ عَلَیْہِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ تَوَاضُعاً کَسَاہُ اللّٰہُ حَلَّۃَ الْکَرَامَۃِ (رواہ ابوداود) (۱)

(۱) مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۷۵-۱۲

ترجمہ:۔جس شخص نے خوبصورت اور عمدہ کپڑا پہننا قادر ہونے کے باوجود بطورِ تواضع کے ترک کردیا اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن) بزرگی کا لباس پہنائیگا۔

حضرت سفیان ثوریؒ مال و دولت کے سلسلے میں فیصلہ کن نقطۂ نظر یوں پیش فرماتے ہیں۔

كَانَ الْمَالُ فِيمَا مَضىٰ يُكْرَهُ فَامَّا الْيَوْمَ فَهُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَ قَالَ لَوْ لَا هٰذِهِ الدَّنَانِيْرُ لَتَمَنْدَلَ بِنَا هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكُ وَقَالَ مَنْ كَانَ فِيْ يَدِهٖ مِنْ هٰذِهٖ شَيْءٌ فَلْيُصْلِحْهُ فَإِنَّهُ زَمَانٌ اِنِ احْتَاجَ كَانَ اَوَّلَ مَنْ يُبَدِّلُ دِيْنَهٗ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ (مشکوٰۃ جلد۲ صفحہ۴۵۱)

ترجمہ:۔گذشتہ زمانہ میں مال ناپسند سمجھا جاتا تھا مگر آج کے زمانہ میں یہ مؤمن کی ڈھال ہے، اگر یہ درہم و دنانیر ہمارے پاس نہ ہوں، تو یہ بادشاہ و حکام ہمیں اپنی گندگیوں کے پونچھنے کا رومال بنا ڈالیں (یعنی ذلیل کردیں) جس کے پاس بھی مال و دولت ہو وہ اس کی اصلاح کرلے (یعنی اسے ضائع ہونے سے بچائے اور تجارت وغیرہ میں لگا کر اسے بڑھانے کی کوشش کرے) اس لئے کہ زمانہ ایسا آگیا ہے کہ محتاجگی کی صورت میں حصولِ زر کے لئے انسان اپنا دین تک بیچ ڈالتا ہے۔

اب تک اس موضوع کے تحت جو احادیث نقل کی گئیں سب کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ حصولِ دولت بذاتِ خود کوئی قبیح چیز نہیں ہے اسکا غلط استعمال اسے قبیح بنا دیتا ہے اور اگر صحیح جگہ استعمال کی جائے تو دولتمندی خدا کے یہاں اعلیٰ مراتب کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

دولت کو جمع کر کے رکھنا گناہ ہے

مال و دولت کو جمع کر کے رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اسلام کے نزدیک [illegible]ت ترین گناہ ہے، قرآن و حدیث دونوں میں ایسا کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے اور اسے سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

سورۂ توبہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ہ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ہ (آیت ۳۵)

ترجمہ:۔اور جو لوگ سونا، چاندی اور مال و دولت جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ،اے رسولؐ! تم انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو ،جس دن تپایا جائیگا انکی جمع کی ہوئی دولت کو دوزخ کی آگ میں، پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں ،اور کہا جائیگا کہ یہ ہے وہ مال و دولت جسے تم جوڑ جوڑ کر اپنے لئے رکھتے تھے پس اپنی جوڑی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور اکرم ﷺ خانۂ کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے میں وہاں پہونچا تو مجھے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا، هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ،وہی لوگ گھاٹے میں ہیں کعبہ کے رب کی قسم ،حضرت ابوذرؓ نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کن لوگوں کے بارے میں آپؐ یہ ارشاد فرمار ہے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا: هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالاً اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا الخ جو لوگ دولت بکثرت جمع کئے ہوئے ہیں مگر اسے خرچ نہیں کرتے مگر وہ لوگ جو دولت کو اللہ کی راہ میں لٹاتے رہتے ہیں وہ گھاٹے میں نہیں ہیں ،لیکن ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ (۱)

ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفاً

ترجمہ:۔اے اللہ! خرچ کرنے والے کو خرچ کردہ مال کے عوض میں مال عطا فرما۔

دوسرا فرشتہ کہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكاً تَلَفاً (۲)

ترجمہ:۔اے اللہ! مال روکنے والے کے مال کو تلف کردے۔

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

يَا ابْنَ آدَمَ اِنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَّكَ وَ اِنْ تَمْسِكْهُ شَرٌّ لَّكَ .

(رواہ مسلم) (۳)

(۱) بخاری ج ۲ ص ۹۵۴ (۲) مسلم جلد ۲ ص ۳۲۵ ۔ ۱۲ (۳) مشکوۃ جلد ۱ ص ۱۶۴ ۱۲

ترجمہ:۔اے انسان! اگر تو بچاہوا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردے گا یہ تیرے حق میں بہتر ہوگا اور گر تو اسے روکے رکھے گا تو یہ تیرے حق میں بُرا ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ حضورؐ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ''سخی اللہ سے بھی قریب ہوتا ہے اور جنت سے بھی اور لوگوں سے بھی، اور دوزخ سے دور ہوتا ہے، اس کے برعکس بخیل اللہ سے بھی دور ہوتا ہے اور جنت سے بھی اور لوگوں سے بھی، اور دوزخ سے قریب ہوتا ہے۔

اسی حدیث میں آگے چل کر حضورؐ فرماتے ہیں کہ ایک شخص وہ ہے جو صرف فرائض کو ادا کرتا ہے نوافل کی ادائیگی نہیں کرتا، مگر وہ سخی ہے دوسری طرف، ایک شخص ہے جو فرائض کے علاوہ نوافل میں بھی بے حد انہماک رکھتا ہے مگر بخیل ہے تو اس شخص سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک پہلا والا شخص ہے جو اگرچہ نوافل میں انہماک نہیں رکھتا مگر سخی ہے اور اللہ کی راہ کی میں خوب خرچ کرتا ہے محتاجوں اور ضرورتمندوں کی خبر گیری کرتا رہتا ہے (۱)

ترمذی شریف کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ مؤمن کامل کے ساتھ بُخل اور بداخلاقی نہیں جمع ہوسکتی، یعنی ایک شخص مؤمن کامل بھی ہو اور بخیل و بداخلاق بھی ہو ایسا نہیں ہوسکتا گویا خوش اخلاق اور سخی ہونا مؤمنِ کامل ہونے کی دلیل ہے۔

مال خرچ کرنے کے فضائل

اللہ کے راستے میں مال و دولت خرچ کرنے کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں، سورۂ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَا بِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ط وَ اللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ہ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى ط لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہ (آیت ۲۶۲،۶۱)

(۱) ترمذی ج۲ ص۱۸ ۱۲

ترجمہ:۔ جولوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے اس خرچ کرنے کی مثال اس دانہ کی سی ہے جس سے پودا اُگے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے، وہ بڑی وسعت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے جولوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر وہ نہ احسان جتاتے ہے اور نہ تکلیف دیتے ہیں ان کے واسطے ان کے رب کے پاس بڑا ثواب ہے اور انہیں قیامت میں کوئی خوف وخطر نہ ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

احادیث میں بھی راہ خدا میں مال وزر لٹانے کے بڑے فضائل آئے ہیں ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے اور اجر کے اعتبار سے زیادہ بڑھا ہوا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ صحت وتندرستی کی حالت میں جبکہ کچھ بخل بھی ہو اور تم محتاجگی سے ڈر رہے ہو اور مالدار بننے کی فکر میں ہو، ایسی حالت میں صدقہ کرنا اجر کے اعتبار سے سب سے افضل ہے (۱)

حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ سے حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خوب خرچ کیا کرو اور اس شمار کے چکر میں نہ پڑو کہ اتنا دے ڈالا، اب بس کرنا چاہئے، ورنہ اللہ بھی اپنی نعمتیں شمار کرنے لگے گا، تم سے تھوڑا بہت جو ہوسکے راہِ خدا میں ضرور دیا کرو۔ (بخاری)

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَنْفِقْ یَا ابن اٰدَمُ اُنْفِقُ عَلَیْکَ (بخاری جلد۲ص۸۰۵)

ترجمہ:۔ اے آدم کے بیٹے خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے ہلاک و برباد کردیا بخل نے ہی ان کو اس بات پر اُبھارا کہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کا خون بہایا اور محارم کو حلال قرار دے ڈالا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب حضورؐ نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ دیکھو میں تم کو ایسی جگہ بھیج رہا ہوں جہاں اہلِ کتاب آباد ہیں تم انہیں کلمۂ طیبہ کا اقرار اور نماز کی تلقین کرنا اور ان کو یہ بھی بتادینا کہ

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً فِیْ اَمْوَالِھِمْ تُوْخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِ ھِمْ وُ تُرَدُّ فِیْ فُقَرَائِھِمْ (۲)

(۱) مشکوٰۃ ج۱ص۱۶۴ ۱۲ (۲) بخاری جلد۱ص۱۸۷ ۱۲

ترجمہ:۔ بیشک اللہ نے اُن پر اوپر صدقہ فرض کیا ہے جو مالداروں سے لیا جائیگا اور فقراء پر تقسیم کر دیا جائے گا۔

ایک حدیث نبویؐ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی، ارشاد نبویؐ ہے

مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ (مسلم)

ترجمہ:۔ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اَلَا اُخْبِرُ كُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلاً.

کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو لوگوں میں درجہ کے اعتبار سے سب سے بُرا ہے؟

صحابہؓ کرام نے عرض کیا حضورؐ! ضرور ارشاد فرمائیے، حضورؐ نے فرمایا

اَلَّذِیْ یُسْأَلُ بِاللّٰهِ وَلَا یُعْطِی بِهٖ (رواہ احمد) (۱)

ترجمہ:۔ جس سے اللہ واسطے سوال کیا جائے لیکن اس کے باوجود نہ دے۔

ان احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے راہِ خدا میں خرچ کرنے اور مال وزر لٹانے کا حکم ملتا ہے۔

دولت کو خرچ کرنے کی جگہیں

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دولت کو کہاں خرچ کیا جائے؟ بہت سے لوگ جو بخیل نہیں ہوتے اپنی دولت خوب لٹاتے ہیں خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں پر بھی نچھاور کرتے ہیں، تو کیا اسلام کا مقصود محض دولت مند سے دولت خرچ کرانا ہے یا کچھ مواقع اور جگہیں ہیں، جہاں دولت کا خرچ کرانا مقصود ہے؟۔

جواب یہ ہے کہ اسلامؒ نے دولت خرچ کرنے کا جو حکم دیا ہے تو وہ الل ٹپ دولت

(۱) مشکوۃ ج ۱ ص ۱۶۶

خرچ کرنے کو نہیں کہتا، ایک شخص دوسروں کے سامنے رعب جمانے، کرّ وفر ظاہر کرنے اور اپنی دولتمندی کا ڈھنڈھورا پیٹنے کے لئے دولت خرچ کر رہا ہے، شادی بیاہ کی فضول خرچیوں کو اپنی شان سمجھ رہا ہے، ناجائز اموراور غلط راہوں پر دولت لٹا رہا ہے، ایسے شخص کا دولت خرچ کرنا کسی طرح بھی اسلام کے نزدیک مستحسن نہیں ہے، بلکہ اس کے اوپر وبال جان ہی ہے، قرآن میں ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ ط (بنی اسرائیل۔۲۷)

ترجمہ:۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

شادی بیاہ کے موقعوں یا دیگر مواقع پر جو لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں بڑھ چڑھ کر دعوتیں کرتے ہیں، تاکہ دولتمندی کی شہرت ہو اور لوگ یہ جان جائیں کہ فلاں نے اتنی شاندار دعوت کی، اتنے دھوم دھڑاکے سے شادی کی، اتنا خرچ کر ڈالا، حضورؐ نے ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنے ہی سے منع فرمایا ہے۔

اَلْمُتَبَارِیَانِ لَایُجَابَانِ وَلَا یُؤْکَلُ طَعَامُهَا قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ یَعْنِي الْمُتَعَارِضَیْنِ بِالضِّیَافَةِ فَخْرًا اَوْ رِیَاءً (۱)

ترجمہ:۔ مقابلہ بازوں کی دعوت قبول نہ کی جائے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مقابلہ بازوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو فخر اور ریاکاری کے طور پر دعوتیں کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں۔

ایک دوسری حدیث میں حضورؐ نے ایسی دعوت کو سب سے بُری دعوت قرار دیا ہے جس میں صرف مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ (۲)

بہرحال مال اور دولت خرچ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، شریعت نے اس کے مواقع اور جگہیں بھی بتائی ہیں، اپنی مرضی کے مطابق دولت کو خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

شریعت نے دولت کو خرچ کرنے کی جو جگہیں بتائی ہیں ان میں سے بعض جگہوں پر دولت کا خرچ کرنا فرض ہے اور بعض دوسری جگہوں پر دولت کا خرچ جواز اور اباحت یا استحباب کے حکم میں آتا ہے، دولت کا خرچ کرنا جس صورت میں فرض ہے اسے

(۱) مشکوٰۃ جلد۲ ص ۲۷۹ ۱۲ (۲) بخاری ج۲ ص ۷۷۸ ۱۲

صدقۂ واجبہ یا زکوٰۃ کہا جاتا ہے، زکوٰۃ کے متعلق ارشاد باری ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِينِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. ٥ (توبہ۔۶۰)

ترجمہ:۔زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا، اور جن کا دل پرچانا منظور ہو اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستے میں، اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔(ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

''حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیرِ نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا، بلکہ بذاتِ خود اس کے مصارف متعین کر دیئے ہیں جو آٹھ ہیں (۱) ''فقراء'' (جن کے پاس کچھ نہ ہو)۔(۲) ''مساکین'' (جن کو بقدر حاجت میسّر نہ ہو) (۳) ''عاملین'' (جو اسلامی حکومت کی طرف تحصیلِ صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں) (۴) مؤلفۃ القلوب (جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں، وغیرہ ذالک من الانواع، اکثر علماء کے نزدیک حضورؐ کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی[1]) (۵) ''رقاب'' (یعنی غلاموں کا بدلِ کتابت اداء کر کے آزادی دلائی جائے یا خرید کر آزاد کئے جائیں، یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں)۔(۶) ''غارمین'' (جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے یعنی تاوان و ڈنڈ آپڑا ہو) (۷) ''سبیل اللہ'' (جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے) (۸) ''ابن السبیل'' (مسافر جو حالت سفر میں مالکِ نصاب نہ ہو، گو مکان پر دولت رکھتا ہو) ''حنفیہ کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے، اور فقر شرط ہے''

(ترجمہ شیخ الہند حاشیہ آیت زیر بحث)۔

دولت کو خرچ کرنے کے اوپر جو مصارف بیان کئے گئے ہیں وہ وجوبی ہیں، جواز

(۱) احناف کا یہی مسلک ہے اور بقول صاحب ہدایہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ جلد ۱ اور الدر المختار ص ۸۲ ۱۲

اور استحباب کے درجہ میں سب سے پہلے انسان کی اپنی ذات، اپنے اہل وعیال، ماں باپ پر خرچ کرنا، رشتہ دار، پاس پڑوس والے، غرباء ومساکین کی صدقاتِ نافلہ کے ذریعہ امداد اور یتیموں کی خبر گیری نیز دینی مدارس ومراکز، فلاحی اور رفاہی اداروں کی امداد شامل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِذَااَعْطَى اللّٰهُ اَحَدَكُمْ خَيْراً فَلْيَبْدَاْ بِنَفْسِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ (رواہ مسلم)[1]

ترجمہ:۔ جب اللہ تم میں سے کسی کو مال عطا کرے تو سب سے پہلے اسے اپنی ذات پر خرچ کرنا چاہئے اور اپنے گھر والوں پر۔

ایک دوسری حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ ایک دینار وہ ہے جسے تم نے فی سبیل اللہ (جہاد، حج یا طلبِ علم میں) خرچ کیا ہے اور ایک دینار وہ ہے جسے کسی غلام آزاد کرانے میں خرچ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی مسکین پر صدقہ کیا ہے، اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے، ان چاروں دیناروں میں اجر کے اعتبار سے وہ دینار افضل ہے جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے۔
(الادب المفرد ص ۱۹۶)

حضرت سلیمان بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ اِثْنَتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ[2]

ترجمہ:۔ مسکین پر صدقہ کرنے سے صرف ایک صدقہ کا ثواب ملتا ہے لیکن اگر وہ مسکین رشتہ دار ہو تو دوہرا ثواب ملتا ہے ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے میں اسے کہاں خرچ کروں؟ حضورؐ نے فرمایا، اِنْفَقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ ''اپنی ذات پر خرچ کرو'' انھوں نے کہا ایک اور دینار ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ''اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو''۔ ان صاحب نے کہا حضورؐ ایک اور دینار ہے اُسے کہاں خرچ کروں؟ حضورؐ نے فرمایا، ''اپنی بیوی پر

(۱) مشکوٰۃ جلد۲ ص ۲۹۰ ۱۲ (۲) ترمذی جلد ۱ ص ۸۳ ۱۲

خرچ کرو'' ان صاحب نے کہا ایک اور ہے، حضورؐ نے فرمایا ہے اپنے خادم پر خرچ کرو'' انھوں نے کہا حضورؐ! ایک اور دینار ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اَنْتَ اَعْلَمُ ''اس سلسلے میں تم زیادہ جانتے ہو'' (یعنی تمہارے پاس پڑوس اور رشتہ دار واقارب میں کون غریب محتاج اور پیسے کا ضرورت مند ہے اس سے تم زیادہ واقف ہو لہٰذا اپنی واقفیت کے مطابق خرچ کرو)(۱)

دولت مندوں کو رفاہی اور عام لوگوں کے فائدے کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے، اور اپنے لئے صدقۂ جاریہ کمانا چاہئے، حضورﷺ فرماتے ہیں کہ دو اشخاص قابلِ رشک ہیں ایک وہ جسے اللہ نے علم دین عطا فرمایا اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے، دوسرا وہ ہے جسے اللہ نے دولت عطا فرمائی اور وہ اسے حق کے راستوں میں خرچ کرتا ہے۔(۲)

ایک حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب اانسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، البتہ صدقۂ جاریہ اور علم جو اس نے سکھایا تھا اور لوگ فائدہ اٹھارہے ہوں، اور نیک اولاد جو اس کے حق میں دعائے خیر (مغفرت اور اور بلندی درجات کی دعاء) کرے، ان تینوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے،(۳)

''صدقۂ جاریہ'' کی کچھ شکلیں ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتی ہیں کہ کوئی مسجد بنواجائے یا مسافر خانہ بنوادے، یا نہر وکنواں یا زمانۂ موجودہ کے لحاظ سے نل لگوایا جائے تاکہ لوگ اس سے پانی حاصل کریں۔(۴)

مدارس کی تعمیر اسپتالوں کا قیام اور یتیم خانہ وغیرہ اسی صدقۂ جاریہ کے تحت آتا ہے یہ سب چیزیں دولتمندوں کے لئے دولت خرچ کرنے کا بہترین مصرف ہیں۔

دولت خرچ کرنے کے ضوابط

راہِ خدا میں اپنا مال وزر دینے کے کچھ آداب واصول ہیں، ان اصولوں اور

(۱) مشکوٰۃ ج اص ۱۷۱ بحوالہ ابوداؤد (۲) بخاری جلد اص ۱۷ ۱۲

(۳) مشکوٰۃ جلد اص ۳۲، ۱۲ (۴) مشکوٰۃ جلد اص ۳۶ ۱۲

ضابطوں کو مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے تا کہ خرچ کی ہوئی دولت خدا کی بارگاہ میں قبول ہو سکے اور بندہ کا یہ عمل ثواب کا مستحق قرار پا سکے، اور اگر ان آداب وضوابط کا خیال نہ رکھا گیا تو راہِ خدا میں خرچ کی ہوئی دولت اُلٹے گلے پڑ جاتی ہے اور اس کا ثواب ملنا تو درکنار، بندہ کا دامن گناہوں سے آلودہ ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلا اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ جو کچھ خدا کی راہ میں دیا جائے وہ خالص لوجہ اللہ ہو، صرف اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ہو، دکھاوے اور ریاکاری کا اس میں کوئی دخل نہ ہو، خلوصِ نیت کسی بھی کام کے لئے اوّلین شرط ہے، اس کے بغیر کوئی بھی عمل خدا کے یہاں سندِ قبولیت نہیں حاصل کر سکتا، اگر نیت خالص لوجہ اللہ ہوگی تو وہ عمل درجۂ قبولیت کو پالیگا اور اگر لوگوں کو دکھانا اور اپنی سخاوت و دریادلی کا شہرہ کرانا مقصود ہو تو شہرہ تو ہو جائیگا، مگر خدا کے یہاں کچھ نہ ملے گا، اللہ تعالیٰ نیتوں کو دیکھتا ہے صرف ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوىٰ (۱)

ترجمہ:۔ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلیٰ صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلیٰ قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ رواہ مسلم (۲)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

دوسری حدیث میں ارشادِ نبویؐ ہے

مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِه وَمَنْ یُرائی یرائی اللّٰهُ بِه. (بخاری جلد۲ص ۹۶۲)

ترجمہ:۔ جو کوئی دنیا میں اپنے اعمال کی تشہیر کریگا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جس کے عیوب کی تشہیر کریگا، اور جو کوئی دنیا میں اپنے اعمال کو دکھاتا پھریگا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب اور بُرے اعمال لوگوں کو دکھائیگا۔

(۱) بخاری ج۱ص۲ (۲) مشکوۃ جلد۲ص ۴۵۴ ۱۲

قیامت کے قریب مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو لوگوں کو دھوکہ دیں گے، اور دین کے ذریعہ دنیا کمائیں گے، یعنی نام کریں گے دین کا مگر مقصود دنیا کی تحصیل ہوگی، اوپر دکھاوے کیلئے بکری کی کھال ہوگی، اندر سے دل بھیڑیے جیسا ہوگا، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایسے فتنہ میں مبتلا کریگا کہ فہیم و سمجھدار اور پختہ عقل والے بھی حیران و پریشان رہ جائیں گے۔ (۱)

ایک حدیث کے اندر ریاکاری کو شرکِ خفی قرار دیا گیا ہے (۲)

جو شخص اس بات کا خواہش مند ہو کہ اس کے کسی نیک عمل کی دھوم مچ جائے، دنیا میں شہرت ہو جائے اور لوگ اس کی طرف اشارہ کر کے بتائیں، ایسے شخص کے متعلق حضورؐ فرماتے ہیں۔

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يُشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصِمَهُ اللّٰهُ. (رواہ البیہقی مشکوٰۃ جلد۲ص ۴۵۵)

ترجمہ:۔ کسی آدمی کے لئے شر کے اعتبار سے یہ کافی ہے کہ دین یا دنیا کے معاملہ میں اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے، مگر جسے اللہ محفوظ رکھے۔

اوپر جو احادیث نقل کی گئیں ان میں عام طور سے ہر عمل کے اندر اخلاص وللٰہیت کی تلقین کی گئی ہے، اور دکھاوے اور ریاکاری سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے جہاں تک راہِ خدا میں مال ودولت خرچ کرنے کا سوال ہے اس کے سلسلے میں بھی وضاحت کے ساتھ قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ میں ریاکاری سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط (سورہ بقرہ ۲۷۱)

ترجمہ:۔ اگر اسے پوشیدہ رکھو اور فقیروں کو دیدو تو یہ پوشیدہ رکھنا تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ جُهْدُ الْمُقِلِّ اِلٰى فَقِيْرٍ فِيْ سِرٍّ (۳)

(۱) مشکوٰۃ جلد۲ص ۴۵۴ بحوالہ ترمذی ۱۲ (۲) ابن ماجہ ج۲ص ۳۲۰ ۱۲ (۳) ابوداؤد جلد اص ۲۵۲ ۱۲

ترجمہ:۔ بہترین صدقہ یہ ہے کہ مفلس و بے مایہ شخص کسی فقیر کو پوشیدہ طور پر کچھ دے۔
بخاری و مسلم دونوں میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے یہ حدیث آئی ہوئی ہے کہ قیامت کے دن جب عرشِ الٰہی کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا، سات قسم کے اشخاص ایسے ہونگے جنھیں عرشِ الٰہی کے سائے میں جگہ ملے گی، ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہوگا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَلَمْ تَعْلَمْ شِمَالُهُ بِمَا عَطَتْ يَمِيْنُهُ (۱) "کوئی چیز اس طرح صدقہ کی کہ اس کے بائیں ہاتھ کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا چیز دی ہے"۔
البتہ ضرورت پڑنے پر ظاہر کر کے بھی صدقہ دیا جاسکتا ہے، لیکن ظاہر کر کے بھی دینے سے مقصود لوگوں کو دکھانا نہ ہونا چاہئے، قرآنِ کریم میں ارشادِ خداوندی ہے،
اِنْ تُبْدُوْ ا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ البقرہ (۲۷۱)
ترجمہ:۔ اگر تم صدقات کو ظاہر کر کے دو بھی تب اچھی بات ہے۔
دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔
وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَا هُمْ سِرًّا و عَلَا نِيَةً (رعد ۲۲)
اور جو کچھ ہم نے انکو بطورِ رزق عطا کیا ہے اسمیں سے کھلم کھلا اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں۔
امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ علانیہ طور پر دینے کی اجازت وہاں ہوگی جہاں یہی صورت اختیار کرنے میں خیر کا پہلو ہو مثلاً اس خیال سے ظاہر کر کے دیا جا سکتا ہے کہ دیکھا دیکھی دوسرے بھی ایسا ہی کریں گے اور اقتداء کا جذبہ ابھریگا نیز سوال کرنے والے نے اگر مجمعِ عام میں سوال کر دیا اس وقت بھی ظاہر کر کے صدقہ دیا جاسکتا ہے، بلکہ اگر اس طرح کی کوئی صورت پیش آجائے تو ریاء کے خوف سے صدقہ نہ چھوڑنا چاہئے بلکہ سائل کی مدد کرنی چاہئے البتہ یہ کوشش ضرور کرنا چاہئے کہ باطنی ریا سے محفوظ رہے، ظاہر کر کے دینے میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اس طرح فقیر کی توہین ہوتی ہے کیونکہ کوئی فقیر یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے محتاج اور حاجتمند سمجھا جائے ہاں اگر مجمع عام

(۱) احیاء علوم الدین جلد اص ۵۳۹ ۱۲

میں مانگ کر فقیر نے جب خود ہی اپنی توہین کی ہے تو ظاہر کر کے صدقہ دینے میں کوئی عیب نہیں ہے اس صورت میں دینے والے کا کوئی قصور نہیں سمجھا جائیگا۔

امام غزالیؒ مزید فرماتے ہیں کہ ''اعلانیہ دینے میں دوسروں کے لئے ترغیب کا سامان موجود ہے بندے کو نفع وضرر دونوں پر نظر رکھنی چاہئے، حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی یکساں معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا، اس کا تعلق بہت کچھ مختلف اوقات اور مختلف احوال سے ہے، چنانچہ بعض اوقات بعض اشخاص کے سلسلے میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ اظہار کیا جائے جو شخص فوائد اور نقصانات پر نظر رکھے اور ذہن سے شہرت کا تصور نکال پھینکے وہ یہ بات سمجھے گا کہ کب (اظہار واخفاء میں سے) کون سا طریقہ زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے؟ (۱)

یہ تو ہوئی راہِ خدا میں دولت کو ظاہر کر کے یا پوشیدہ رکھ کر دینے کی بات، دوسری چیز جو اس سلسلے میں ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ جس کو اللہ کے راستے میں دیا ہے اس پر احسان نہ جتایا جائے، اور احسان جتا جتا کر اسے تکلیف واذیت نہ پہونچائی جائے، قرآن کریم میں ہے۔

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى (بقرہ ۲۶۴)

ترجمہ:۔ احسان جتا کر یا ایذاء پہنچا کر اپنے صدقات کو برباد مت کرو۔

امام غزالیؒ مَنّ (احسان جتانے) کے متعلق فرماتے ہیں کہ مَنّ کی اصل یہ ہے کہ آدمی دل میں اپنے صدقہ کو احسان وانعام تصور کر لے اور یہ سمجھے کہ میں نے فقیر کو دے کر اسے انعام واکرام سے نواز دیا ہے اور اس پر احسان کر دیا ہے، حالانکہ اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ فقیر نے خود مجھ پر احسان کیا ہے کہ اس نے اللہ کا حق مجھ سے وصول کر لیا، وہ حق ایسا ہے کہ ادا کرنے کے بعد مجھے دوزخ سے نجات ملے گی، اور میرا باطن پاک وصاف ہو جائیگا، اگر وہ یہ صدقہ قبول نہ کرتا تو میں اس کے حق کے بوجھ تلے دبا رہتا، اور مجھے گلوخلاصی نصیب نہ ہوتی۔ (۲)

آذی (ایذاء پہنچانے) کی تشریح کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اذیٰ

(۱) احیاء علوم الدین جلد اوّل ص ۵۴۱ ۱۲ (۲) احیاء علوم الدین جلد اوّل ۵۴۲ ۱۲

کے معنی یہ ہیں کہ فقیر کو ڈانٹا جائے اسے لعنت و ملامت کی جائے، اُس سے سخت بات کی جائے اور جب وہ مانگنے آئے تو ترش روئی اختیار کرلے، فقیر کی توہین کے ارادے سے ظاہر کر کے زکوٰۃ دے، یا اس طرح کے اور طریقے جن سے فقیر کی اہانت اور ذلت ہوتی ہو''(۱)

بہرحال دینے کے بعد احسان جتانا اور ایذاء پہنچانا ایک ایسا عمل ہے جس سے صدقہ اکارت چلا جاتا ہے بندہ کو اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا چاہتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو مال و دولت اور نعمتوں سے نوازتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر بھی دیکھنا چاہتے ہیں کسی کے پاس مال و دولت ہو مگر اس کے باوجود پریشان حال اور پراگندہ بال گھومتا پھرے، اللہ کو یہ چیز پسند نہیں، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرے تا کہ یہ ظاہر ہو کہ فلاں بندے کو اللہ نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مالدار اور دولتمند بندہ متکبر ہو جائے، اور گھمنڈ و غرور میں مبتلا ہو کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے، نعمتوں کا اثر ظاہر کرنے سے مراد صرف یہ ہے کہ اللہ نے اچھا پہننے اوڑھنے اور کھانے پینے اور اعلیٰ بود و باش اختیار کرنے پر قادر بنایا ہو تو بندہ کو ایسا کرنے کا حق ہے اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے کہ بندہ ایسا کرے، تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ اللہ کی نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا ہے، صاف ستھرے کپڑوں پر قادر ہونے کے باوجود میلے کچیلے کپڑے پہننا اور اپنی ہیئت کو بگاڑ دینا، شریعت کا مقصود ہرگز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص بطورِ انکساری کے اچھا کپڑا پہننے پر قادر ہو، مگر پھر بھی معمولی کپڑا پہنے اور عمدہ غذا پر قادر ہونے کے باوجود معمولی غذا پر بطورِ تواضع کے گزر اوقات کرے، تو یہ یقیناً خدا کے یہاں ترقیٔ درجات کا باعث ہوگا لیکن انکساری اور تواضع کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ آدمی معمولی کپڑوں کو بھی گندہ بنائے رہے اور طہارت کا خیال تو رہے مگر نظافت کی فکر چھوڑ دے جبکہ حدیث میں ہے کہ:

اَللّٰہُ نَظِیفٌ وَّ یُحِبُّ النَّظَافَةَ(۲)

---

(۱) کتاب مذکور ص ۵۴۳ (۲) پوری حدیث یوں ہے کہ ان اللّٰہ طَیِّبٌ یُحِبُّ الطَّیِّبَ نظیفٌ یحب النظافة کَرِیْمٌ یُحِبُّ الْکَرَمَ جَوَادٌ یُحِبُّ الجَواد فنظفوا افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود ۔ ترمذی ج ۲ ص ۱۰۳ ترجمہ اللہ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے نظافت والا ہے نظافت کو پسند کرتا ہے کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے تو تم بھی اپنے صحنوں کو پاک رکھو یہودیوں کی طرح گندہ نہ رکھو۔

(اللہ نظیف ہے اور نظافت کو پسند کرتا ہے) اسی طرح اپنی شکل وصورت اپنے بال وغیرہ پراگندہ اور غبار آلود بنائے رہے اور اسے سلیقے سے بنانے اور سدھارنے کا خیال تک نہ آئے یہ سب چیزیں شریعت کا مقصود نہیں ہیں۔ شریعت چاہتی ہے کہ خواہ بندہ معمولی کپڑا ہی پہنے رہے، مگر اسے بھی صاف ستھرا رکھے اپنے چہرے مہرے اور وضع قطع اور بودو باش میں بھی صفائی ستھرائی کو اہمیت دے۔

زہد اور پرہیز گاری، تقویٰ اور بزرگی اس کا نام نہیں ہے کہ آدمی موٹا جھوٹا کپڑا ضرور پہنے۔ اور اپنے کپڑے نیز وضع قطع بگاڑے رہے، بلکہ تقویٰ اور پرہیز گاری یہ ہے کہ آدمی لمبی چوڑی آرزوؤں اور تمناؤں میں کمی کرے اور حصولِ دنیا کے لئے لمبے چوڑے خواب دیکھنا چھوڑ دے، کیونکہ زہد اور بزرگی دنیا سے بے رغبتی کا نام ہے اور حصولِ دنیا کے لئے تمنائیں اور بھاری بھرکم آرزوئیں دنیا داری اور دنیا سے بھرپور دلچسپی کی دلیل ہے لہٰذا اپنی تمناؤں پر روک لگانا ہی زہد اور دینداری ہے، حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں۔

لَيْسَ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا بِلُبْسِ الْغَلِيْظِ وَالْخشن وَ اَكْل الْجَشَبِ اِنَّمَا الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا قَصْرُ الْاَمَلِ رواہ فی شرح السنۃ (مشکوۃ جلد۲ص ۴۵۰)

ترجمہ:۔ دنیا سے بے رغبتی موٹا اور کھردرا کپڑا پہنے اور معمولی کھانا کھانے کا نام نہیں ہے بلکہ تمناؤں کو کم کرنے کا نام ہے۔

امام مالکؒ سے ایک بار پوچھا گیا کہ زہد کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا:

طِيْبُ الْكَسْبِ وَ قَصْرُ الْاَ مَلِ (رواہ البیہقی) (حوالہ مذکورہ)

ترجمہ:۔ حلال کمائی اور تمناؤں کو کم کرنا۔

زہد کی اس تعریف میں امام مالکؒ نے حلال کمائی کو بھی شامل کیا ہے اس کے متعلق علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں:

هٰذَا رَدٌّ مِمَّنْ زَعَمَ اَنَّ الزُّهْدَ فِيْ مُجَرَّدِ تَرْكِ الدُّنْيَا وَ لُبْسِ الْخَشِنِ وَ اَكْلِ الْجَشَبِ اَيْ لَيْسَ حَقِيْقَةُ الزُّهْدِ عَمَّا زَعَمَهٗ، بَلْ حَقِيْقَتُهٗ اَنْ يَّاْكُلَ الْحَلَال وَ

يَلْبَسَ الْحَلَالَ وَ يَقْنَعُ بِالْكَفَافِ وَ يُقْصِرَ الْاَمَلَ وَ نَحْوَهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا اِضَاعَةُ الْمَالِ وَ لٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا اَنْ لَّا تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدَيْكَ اَوْثَقَ مِمَّا فِيْ يَدِى اللّٰهِ تَعَالٰى

(حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح جلد۲ص ۴۵۰).

ترجمہ:۔اس سے اس شخص کے خیال کی تردید مقصود ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ زُہدؔ ترکِ دُنیا،موٹا اور کھردرا کپڑا پہننے اور معمولی کھانا کھانے کا نام ہے، حالانکہ زہد کی حقیقت یہ نہیں ہے، بلکہ زہد کی حقیقت یہ ہے کہ حلال غذا کھائے ،حلال لباس پہنے، بقدرِ ضرورت پر قناعت کرے اور تمناؤں کو کم کرے ،اسی کے مثل حضور ﷺ کا ایک فرمان بھی ہے کہ زہد حلال کو حرام کرنے اور مال کو ضائع کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ زہد اس کا نام ہے کہ جو تمہارے پاس ہے وہ زیادہ قابل اعتماد اس چیز کے مقابلہ میں نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے (یعنی اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر اللہ کی قدرت واختیار سے زیادہ بھروسہ واعتماد نہ ہو جائے)

بیہقی کی ایک رویت میں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس امت کی فلاح و صلاح کا اول زینہ آخرت پر یقین اور دنیا سے بے رغبتی ہے، اور اس کے فساد و بگاڑ کا اول زینہ بخیلی اور لمبی چوڑی تمنائیں ہیں۔(مشکوٰۃ ج ۲ص ۴۵۰)

خلاصہ یہ کہ اگر حصولِ دنیا کے لئے بڑی بڑی آرزوئیں نہ باندھی جائیں اور دنیا سے بقدرِ کفاف فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے تو یہ شریعت کے حکم کے بالکل مطابق ہے اس صورت میں اگر کوئی اچھا کپڑا پہنتا ہے اور عمدہ کھانا کھاتا ہے اور اپنی وضع قطع کو سدھارے رکھتا ہے تو یہ عین منشائے شریعت ہے شریعت خود چاہتی ہے کہ بندہ پر خدا کی نعمتوں کا اثر ظاہر ہو۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرىٰ اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلىٰ عَبْدِهٖ (ترمذی جلد۲ص ۱۰۵)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ پسند کرتا ہے یہ کہ اس کی نعمت کا اثر بندہ پر دیکھا جائے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال چکٹے ہوئے اور غبار آلود تھے، اور بکھرے ہوئے تھے، اسے دیکھ

کہ حضورؐ نے فرمایا یہ شخص اپنے بال صاف ستھرے رکھتا اور سدھارتا کیوں نہیں؟ اسی طرح ایک دوسرے شخص کو دیکھا جس کے کپڑے بہت گندے ہو گئے تھے، حضورؐ نے فرمایا کہ کیا اس کے پاس کپڑا دھونے کیلئے کوئی چیز نہیں ہے؟ (یعنی یہ اپنا کپڑا اس قدر میلا کچیلا کیوں کئے ہوئے ہے اسے دھوتا کیوں نہیں؟ (نسائی شریف)

ابو الاحوصؒ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس آیا اور میں اس وقت بہت ہی معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھا حضورؐ نے فرمایا کیا تمہارے پاس مال و دولت نہیں ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہے، حضورؐ نے فرمایا کیسا مال ہے؟ میں نے جواب دیا ہر قسم کا مال ہے، اونٹ بھی ہیں، گائے بھی، بکریاں بھی، گھوڑے بھی اور غلام بھی ہیں، حضورؐ نے فرمایا۔

فَاِذَا اٰتَاكَ اللّٰهُ مَالاً فَلْيُرَ اَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ كَرَامَتَهٗ (نسائی شریف)

ترجمہ:۔ جب اللہ نے تم کو مال دیا ہے تو چاہئے کہ اللہ کی نعمت اور نوازش کا اثر تم پر دکھائی دے (یعنی اچھا کپڑا پہنا کرو تا کہ معلوم ہو سکے کہ اللہ نے تمہیں نوازا ہے)

ابو رجاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار عمران بن حصینؓ ہمارے پاس سے گذرے وہ ایک پوستین پہنے ہوئے تھے جو ریشم اور اُون کے ملے جُلے دھاگے سے بنی ہوئی تھی، انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر دیکھا جائے'' (مسند احمد)

اچھا کھانے اور پینے اور عمدہ لباس پہننے اوڑھنے کی اس وقت تک اجازت ہے جب تک اس میں فضول خرچی اور تکبر کی شمولیت نہ ہو، فرمانِ رسالتؐ ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَ تَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَالَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَلَا مَخِيْلَةٌ (ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ کھاؤ اور پیؤ صدقہ کرو اور پہنو[1] جب تک کہ اسراف و گھمنڈی کی آمیزش نہ ہو۔

جو لوگ عمدہ کپڑا اس لئے پہنیں کہ ان کی شہرت ہو اور لوگوں پر اس کا رعب پڑے،

---

(۱) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس جذبے کے تحت اچھا لباس پہنے کہ اللہ نے اسے جو نعمت دی ہے اس کا اظہار ہو، اور اس کے دل و دماغ میں احساس نعمت تازہ اور زندہ رہے، اور وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے، اور جو لوگ معمولی کپڑا پہنتے ہوں، اور عمدہ و اعلیٰ کپڑے بنوانے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ انھیں حقیر نہ سمجھے، تو ایسا شخص شرعی حدود میں رہتے ہوئے اچھے سے اچھا اور عمدہ جو کپڑا بھی پہنے گا، اس کیلئے پہننا جائز ہوگا اور دینی نقطہ نظر سے اسے کوئی نقصان نہ ہوگا۔
(فتح الباری جلد۔۱ ص ۲۰۳) ۱۲

اور خود ان کی لوگوں کی نظروں میں دھاک بیٹھے ایسے لباس کو حدیث میں ثَوْبُ شُهْرَةٍ (شہرت اور نام وری کا کپڑا) قرار دیا گیا ہے اور اس کے متعلق حدیث نبویؐ ہے کہ

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواہ احمد)(۱)

ترجمہ:۔ جو شخص شہرت کا لباس دنیا میں پہنے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔

حدیث کی تشریح میں محدثین عظامؒ نے شہرت کے کپڑے سے مراد اس کپڑے کو بھی لیا ہے جو متکبرانہ شان کے ساتھ پہنا جائے، اور اپنی بڑائی ظاہر کی جائے۔

(مرقات جلد چہارم باب اللباس)

ان احادیث کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ عمدہ کپڑا پہننے یا عمدہ کھانا کھانے کی ممانعت نہیں ہے، ممانعت صرف گھمنڈ اور تکبر کی ہے، اچھا لباس پہن کر اور عمدہ غذائیں کھا کر دوسروں کو مرعوب کرنے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی ہے، اپنے لباس وغذاء کی نمائش کر کے دوسروں کو ذلیل وحقیر سمجھنے کی ہے (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا یہ غرور ہے کہ میرے پاس اچھا کپڑا ہو اور میں اسے پہنوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! پھر میں نے پوچھا! کیا یہ غرور ہے کہ میرے پاس سواری ہو اور میں اس پر سوار ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! پھر میں نے دریافت کیا۔ کیا یہ غرور وتکبر ہے کہ میں کھانا پکواؤں اور اپنے دوستوں کی دعوت کروں؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں بلکہ غرور وتکبر یہ ہے کہ تم حق کو بیوقوفی کی بات سمجھو اور دوسروں کی بنظرِ حقارت دیکھو"۔ (مجمع الزوائد ج۵ ص۱۳۳)

اسراف اور فضول خرچی

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا مناسب ہے کہ فضول خرچی کیا ہے اور فضول خرچی

---

(۱) مشکوٰۃ جلد۲ ص ۳۷۵ ۱۲ (۲) یہاں ایک بات یہ بتانا مقصود ہے کہ علماء کو خاص طور سے اچھی وضع قطع میں رہنا چاہئے، اور حسب استطاعت عمدہ اور صاف ستھرا لباس پہننا چاہئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں انی لاحب ان انظر الی القاری ابیض الثیاب ترجمہ:۔ میں عالم کو خوب سفید اور اجلے کپڑوں میں دیکھنا چاہتا ہوں، (مؤطا امام مالک ص) اس سے معلوم ہوا کہ عالمانہ شان یہ ہے کہ صاف ستھرا اور پاکیزہ لباس زیب تن کیا جائے، تاکہ عام لوگ وضع قطع اور لباس دیکھ کر عالم کو پہچان سکیں، اور دینی معاملات میں بوقتِ ضرورت رجوع کرسکیں۔ ۱۲ ج

واسراف کسے کہتے ہیں؟

سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ہ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ہ (پ۸ رکوع ۳)

ترجمہ اے انسانو! اختیار کرو اپنی آرائش نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آپ کہہ دیجئے! کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی؟ کہہ دیجئے یہ نعمتیں اصل ہیں ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں خالص انھیں کے واسطے ہیں قیامت کے دن۔ اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔

مذکورہ آیات کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ رقمطراز ہیں۔

یہ آیات ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئیں جو کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے۔ اور اسے بڑی قربت اور پرہیز گاری سمجھتے تھے۔ اور بعض اہلِ جاہلیت ایام حج میں سدِ رمق سے زائد کھانا اور گھی یا چکنائی وغیرہ کا استعمال چھوڑ دیتے تھے بعضوں نے بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کر رکھا تھا۔ ان سب کو بتلا دیا کہ یہ کوئی نیکی اور تقویٰ کی باتیں نہیں، خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا تستُّر اور آرائش ہے اس کی عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھکر قابلِ استعمال ہے۔ تاکہ بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں اس کی نعمتوں کا اثر لے کر حاضر ہو، خدا نے جو کچھ پہننے اور کھانے پینے کو دیا ہے اس سے تمتع کرو۔ بس شرط یہ ہے کہ ''اسراف'' نہ ہونے پائے۔ ''اسرف'' کے معنی ہیں ''حد سے تجاوز کرنا'' جس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً حلال کو حرام کر لے۔ یا حلال سے گزر کر حرام سے بھی متمتع ہونے لگے۔ یا اناپ شناپ

بے تمیزی اور حرص سے کھانے پر گر پڑے۔ یا بدونِ اشتہاء کے کھانے لگے، یا بے وقت کھائے۔ یا اس قدر کم کھائے جو صحتِ جسمانی اور قوتِ عمل کو باقی رکھنے کیلئے کافی نہ ہو، یا مضرِ صحت چیزیں استعمال کرے وغیرہ ذالک، لفظ ''اسراف'' ان سب امور کو شامل ہوسکتا ہے، بے جا خرچ کرنا بھی اس کا ایک فرد ہے، اسی تعمیم کے لحاظ سے بعض سلف نے فرمایا کہ جَمَعَ اللّٰهُ الطِّبَّ كُلَّهٗ فِيْ نِصْفِ اٰيَةٍ (خدا نے ساری طب آدھی آیت میں اکٹھی کردی) (ترجمہ حضرت شیخ الہند حاشیہ آیت زیرِ بحث)۔

انھیں آیات کے سلسلے میں امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں۔

''اگر کھانا پینا چھوڑ دینے سے کسی کے بارے میں یہ خطرہ پیدا ہوجائے کہ وہ ہلاک ہوجائے گا یا اس کے کسی عضو کو نقصان پہونچے گا یا یہ کہ وہ فرائض واجبات ادا کرنے کے لائق نہیں رہ جائے گا تو اس حد تک کھانا پینا بہرحال فرض ہے جس سے یہ اندیشہ باقی نہ رہے اور اگر اس قسم کی صورتِ حال نہ ہو تو کھانا پینا اس کے لئے حدِّ جواز میں رہے گا۔''

''اس آیت سے یہ بات بھی صاف طور پر نکلتی ہے کہ کھانے پینے کی ان ساری چیزوں کا استعمال جائز ہے جن سے اللہ نے ممانعت نہیں کی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آدمی اسراف سے بچے، اور اسراف حدِّ اعتدال سے تجاوز کرنے کا نام ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی حلال چیزوں پر قناعت نہ کرکے حرام چیزوں کو بھی استعمال کرنے لگے۔ دوسرے یہ کہ خرچ کرنے کی اللہ تعالیٰ نے جو حد مقرر کی ہے اس سے آگے بڑھ جائے۔''(۱)

دوسری جگہ ''اسراف'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اسراف یہ ہے کہ انسان حدودِ جواز سے نکل جائے۔ اس کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ اپنے جسم کی ضروریات نہ پوری کی جائیں اور اسے مشقت میں ڈال دیا جائے۔ اور اس کی شکل یہ بھی ہیکہ

---

(۱) احکام القرآن ج ۳ ص ۱۴۱

ضرورت سے کہیں زیادہ اپنے اوپر خرچ کیا جانے لگے اور تنعم کی حد ختم کردی جائے (۱)

نام ونمود کیلئے مال ودولت کو لٹانا نام وری اور شہرت کے لئے مال ودولت کو خرچ کرنا اسراف ہے، لیکن اللہ کے راستے میں خوب خوب لٹائی جائے، یہ کسی طرح بھی اسراف نہیں۔ یہ سراسر ثواب اور اجر کا مستحق عمل ہے۔ اسراف کا ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہی مال ودولت جس کے ذریعہ غرباء مساکین اور ضرورتمندوں کی اعانت وخبر گیری ہوسکتی ہے، انھیں محروم کرکے، ان کا حق مار کر بے ضرورت چیزوں پر خرچ کردی جاتی ہے۔ صرف اسلئے تاکہ اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کی جائے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝

(پ۱۵ آیت ۲۶، ۲۷)

ترجمہ:۔ قرابت دار، مسکین اور مسافر لوان کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

''مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہو، بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملے۔ اسکو بے جا اڑانا ناشکری ہے جو شیطان کی تحریک اور اغواء سے وقوع میں آتی ہے اور آدمی ناشکری کرکے شیطان کے مشابہ ہوجاتا ہے، جس طرح شیطان نے خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو عصیان واضلال میں خرچ کیا، اس نے بھی حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اڑادیا (۲)

علامہ عثمانیؒ نے اس سے اوپر یہ بتایا ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کرنا یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کردینا کہ آگے چل کر اس کی زد دوسروں

(۱) احکام القرآن ج ۳ ص ۷۶ ۱۲ (۲) ترجمہ شیخ الہند حاشیہ آیت زیر بحث ۱۲

کے حقوق پر پڑے اور ان کی حقوق تلفی ہو، نتیجتاً ارتکابِ حرام کا سبب بن جائے اسی چیز کا نام فضول خرچی ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں ''تبذیر'' کا لفظ آیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ناجائز راستہ میں پیسہ خرچ کرنا ''تبذیر'' ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حق کے راستہ میں اگر انسان سارا مال خرچ کردے تو یہ تبذیر نہیں۔ لیکن اگر غلط جگہ پر ایک ''مُد'' (چھوٹا سا پیمانہ) برابر بھی غلّہ صرف کرے تو اسے ''تبذیر'' قرار دیا جائیگا(۱)

جاراللہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں بھی تقریباً انھیں چیزوں کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ غلط جگہوں پر مال خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے اور صحیح جگہوں پر اللہ کی رضا جوئی کیلئے مال خرچ کرنا تبذیر میں داخل نہیں۔

فضول خرچی (تبذیر) اور اسراف کے نتیجے میں مال ضائع ہوتا ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں۔

سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ کَرِہَ لَکُمْ ثَلَاثاً قِیلَ و قَالَ وَاِضَاعَۃَ الْاَمْوَالِ وَکَثْرَۃَ السُّؤَالِ (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

ترجمہ:۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین باتیں ناپسند کی ہیں۔ غیر ضروری بحث و گفتگو، اموال کا ضائع کرنا، اور کثرت سے سوال کرنا۔

دولتمندی کی ناپسندیدہ صورت، دنیاداری

دولتمندی کی ناپسندیدہ صورت وہ ہے جسے دنیاداری کہا جاتا ہے، دنیا داری کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی محبت میں غرق ہوجائے، اور دنیا حاصل کرنے کے لئے جائز ناجائز اور حلال و حرام کے حدود کا پاس و لحاظ تک نہ رہے بس یہی ہوس دن و رات رہے اور یہی سودا ہمیشہ دماغ میں سمایا رہے کہ دنیا ملنی چاہئے، روپیہ پیسہ حاصل ہونا

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶

چاہئے جیسے بھی ہو، جس صورت میں بھی ہو، خواہ دین رہے یا جائے، مگر دنیا ہاتھ سے نہ جائے۔

حصولِ دولت کی یہ شکل وہ ہے جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے اور جس کی شریعت نے کسی طرح بھی اجازت نہیں دی ہے، اجازت دینا تو درکنار اس رویہ اور اندازِ فکر کی سخت مذمت کی ہے، اور کہا گیا ہے کہ اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُوْھَا کِلَاب (الحدیث)

ترجمہ:۔ دنیا ایک مردار جانور ہے اور اس پر جھپٹنے والے کتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حُبُّ الدُّنْیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ رواہ رزین (مشکوٰۃ جلد۲ص۴۴۴)

ترجمہ:۔ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔

دنیا کی محبت میں ہی آدمی ایک دوسرے کا گلا بھی کاٹتا ہے ایک دوسرے کی جائداد بھی ہڑپ کرتا ہے، حصول دنیا کے لئے ہر جائز و ناجائز کام کر گزرتا ہے حدیث میں بالکل صحیح کہا گیا ہے کہ ہر برائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔

حضرت عمرو بن عوف حضورؐ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ

فَوَاللّٰہِ لَاالْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسطَ عَلَیْکُمْ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَا فَسُوْھَا کَمَا تَنَا فسو لھا وَتُلْھِیْکُمْ کَمَاالھتھم. (بخاری جلد۲ص۵۱)

ترجمہ:۔ خدا کی قسم! میں تمہارے متعلق محتاجگی سے نہیں ڈرتا، بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تمہیں خوب وافر مقدار میں مل جائے اور تم لوگ اسکے حصول کیلئے ایک دوسرے سے اسی طرح مقابلہ بازی کرو جیسے تم سے پہلے لوگوں نے کی اور یہ مقابلہ بازی تمہیں ویسے ہی آخرت سے بے پروا کرے، جیسے پہلے لوگوں کو کیا۔

حدیث میں آتا ہے انسان دو چیزوں سے بہت ڈرتا ہے، ایک موت دوسرے مال کی کمی، حالانکہ موت مؤمن کے۔ لئے فتنہ سے بہتر ہے اور مال کی کمی آخرت کے حساب و کتاب کو کم کر دیتی ہے (۱)

(۱) مشکوٰۃ جلد۲ص۴۴۸

کیونکہ جس کے پاس جتنا زیادہ مال ہوگا، اسے اتنا ہی زیادہ اس کے متعلق حساب بھی دینا ہوگا، اور جس کے پاس مال کم ہوگا، حساب بھی کم ہوگا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو حضورؐ گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو ان سے فرمایا تھا۔

اِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَاللّٰهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ رواہ احمد. (مشکوٰۃ جلد۲ص۴۴۹)

ترجمہ:۔ بہت زیادہ عیش وعشرت میں زندگی بسر کرنے سے بچو، کیونکہ اللہ کے خاص بندے عیش وعشرت میں زندگی نہیں گزارتے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ میرا مال، میرا مال چلاّتا ہے حالانکہ اس کی ساری کمائی میں سے اس کا جو مال کہا جا سکتا ہے وہ تین ہی ہے۔ (۱) جو کھایا اور فنا کر دیا (۲) کپڑا جو پہن کر پرانا کر دیا (۳) اللہ کی راہ میں دے کر ذخیرۂ آخرت بنالیا۔ اس کے علاوہ اس کا جو مال بھی ہے وہ اسے چھوڑ جائیگا اور دوسروں کے لئے چھوڑ جائیگا (۱)

انسان مال ودولت کا بڑا حریص ہوتا ہے یہی حرص دراصل دنیاداری ہے جو اسلام کے نزدیک مذموم ہے۔ دنیا کے حریص کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا (۲)

انسان کی حرص کا یہ عالم ہے کہ مال کی دو وادیاں مل جائیں تو تیسرے کی تلاش رہتی ہے تیسری ملنے پر چوتھی کی فکر سوار ہو جاتی ہے، غرضیکہ مرتے دم تک یہ حرص نہیں جاتی۔ (۳)

حدیث میں آتا ہے کہ دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز وشاداب چیز ہے، دل ونگاہ کو بہت بھاتی ہے اس لئے دنیا کی محبت سے بچو، کہیں اس کی رنگینیاں تمہیں بھٹکا نہ دیں (مسلم شریف)

بندۂ مومن دنیا کو حاصل کرتا ہے مگر اسے اپنا اصل مقصد نہیں سمجھتا، بلکہ اسے خدا کے حکموں کے مطابق برت کر اپنے اصل گھر عقبیٰ کی تیاری کرتا ہے، دنیا کی محبت میں وہ گرفتار ہو جس کا کوئی گھر نہ ہو مؤمن دُنیا کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتا کیونکہ اسے آخرت کی فکر رہتی ہے، حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

---

(۱) مسلم جلد۲ص ۴۰۷ (۲) مشکوٰۃ جلد اول ص ۳۷ ۱۲ ج (۳) بخاری جلد۲ص ۹۵۲

الدُّنیاَ دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهُ وَ مَالٌ مَنْ لَامَالَ لَهُ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ
(مسند احمد)

ترجمہ:۔ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، دنیا اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو، اور دنیا کو (آنکھیں بند کر کے) حاصل وہی کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

دنیا مؤمن کا گھر نہیں مؤمن کے لئے قید خانہ ہے، کافر کے لئے یہی دنیا جنت ہے۔ اگر وہ آخرت کو فراموش کر کے حصولِ دنیا میں لگ جائے تو حیرت کی بات نہیں، مگر ایک مؤمن کو ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

اسلام نے حصول دنیا کی اس طور پر ممانعت کی ہے کہ آدمی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیدے، اور ہر وقت اس پر دنیا حاصل کرنے اور مال و دولت کمانے کی ہی فکر ہو، درج ذیل آیات سے یہ حقیقت اچھی طرح واشگاف ہوتی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰیۙ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ہ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ہ
(نازعات۔۳۷ تا ۳۹)

ترجمہ:۔ جس نے سرکشی کی اور دنیا وی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دی، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ط وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ہ (سورہ ھود۔۱۵۔۱۶)

ترجمہ:۔ جو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتا ہے، ہم اس کے اعمال کا بدلہ بغیر کسی کمی کے دنیا ہی میں پورا پورا دیدتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں سوائے جہنم کی آگ کے، انھوں نے جو کچھ کیا سب اکارت گیا، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب باطل ہے۔

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ط
(عنکبوت ۶۴)

ترجمہ:۔ دنیا کی زندگی دراصل لہو ولعب کی چیز ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُوْرِ ط (لقمان۔۳۳)

ترجمہ:۔ دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے، اور نہ شیطان تم کو اللہ کے بارے میں دھوکہ میں رکھے۔

مال کی کثرت وفراوانی حُبِ دنیا بہت سی برائیوں کو جنم دیتی ہے قتل وغارت گری، ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت ومخاصمت، رشتہ داروں میں رنجش وقطع رحمی جیسی بھیانک برائیاں پھیلنے لگتی ہیں، آقائے نامدار علیہ فرماتے ہیں۔

مَافَتَحَ اللّٰهُ الدِّيْنَارَ وَالدِّرْهَمَ وَالذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ عَلٰى قَوْمٍ اِلَّا سَفَكُوْا دِمَائَهُمْ وَقَطَعُوْا اَرْحَامَهُمْ. (جامع بیان العلم جلد۲ ص۱۱)

ترجمہ:۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر درہم ودینار اور سونے اور چاندی کے دروازے کھول دیتا ہے تو اس قوم میں قتل وخونریزی اور رشتہ داروں سے قطع تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

اَلزُّهْدُ فِی الدُّنْيَا يُرِيْحُ الْقَلْبَ وَالرَّغْبَةُ فِی الدُّنْيَا يُزِيْدُ الْهَمَّ (الجامع الصغیر جلد۲ ص۸)

دنیا سے بے رغبتی دل کو آرام پہونچاتی ہے اور دنیا کی خواہش رنج وغم کو زیادہ کرتی ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میرے بھائی دنیا سے بچو، دنیا اتنی جمع نہ کرو کہ تم سے اس کا شکر ادا نہ ہوسکے (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ایک فرشتہ یہ آواز لگاتا ہے کہ تھوڑا مال جو تمہارے لئے کافی ہو اس زیادہ سے بہتر ہے جو تمہیں سرکش بنادے۔ (۲)

اب تک ذکر کردہ آیات واحادیث کے حوالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دولت کمانے کی حرص اور حصولِ دنیا کی وہ فکر جو انسان کو خدا ورسول کے حکموں کا باغی بنادے، ان کے حکموں سے لاپروا کردے اور انسان آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے لگے، اور آخرت کے حساب وکتاب کو بھول جائے، اور دنیا کو ہی اصل مقصود قرار دے ڈالے، ایسی دولت مندی اور دولت کے حصول کا یہ اندازہ اسلام کے نزدیک

(۱) احیاء علوم الدین جلد۲ ص۲۰۰ (۲) احیاء علوم الدین جلد۲ ص۲۰۷ ۱۲ ج

ناپسندیدہ اور گھاٹے کا سودا ہے۔

لیکن اگر دنیا کی حرص نہ ہو، حصول دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دی جائے، حصول دنیا میں احکام شریعت کو مکمل طور سے ملحوظ رکھا جائے تو شریعت کے نزدیک یہ ناپسندیدگی کی فہرست سے خارج ہے، اور یہ ایک جائز اقدام ہے جیسا کہ سابق حوالوں سے ظاہر ہوا۔

دولتمندی، قربِ الٰہی کی دلیل نہیں

مال ودولت پر گھمنڈ کرنا اور اترانا خدا کو سخت ناپسند ہے، اقوامِ سابقہ میں سے جس نے بھی یہ رویہ اپنایا، خدا نے اس کے غرور کی سزا دی، اور اسے تباہ و برباد کر کے اس کے گھمنڈ کو مٹی میں ملا دیا، سورۂ قصص میں ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًاط وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ. ٥ (آیت۔۵۸)

ترجمہ:۔ کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا، جو اپنی معیشت پر اترائیں، اب دیکھ لو ان کے گھروں کو، کم ہی کوئی ان کے بعد ان گھروں میں بسا، اور ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ٥ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ٥ (آیت۳۴و۳۵)

ترجمہ:۔ ہم نے جس بستی میں بھی کوئی متنبہ کرنے والا بھیجا، اس کے دولتمند لوگوں نے اس سے کہا کہ جو پیغام رسالت لیکر تم آئے ہو، ہم اس کے منکر ہیں اور انھوں نے کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال واولاد رکھتے ہیں، اور ہم ہرگز عذاب پانے والے نہیں ہیں۔

سورۂ سبا کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ امِم سابقہ کے دولتمندوں نے اپنے مال و دولت کی کثرت کی بنا پر باور کر رکھا تھا کہ ہم خدا کے لاڈلے اور قریبی ہیں، اور چونکہ خدا کے قریبی ہیں اس لئے خدا ہمیں کبھی بھی سزا نہیں دیگا، اپنے آپ کو خدا کا قریبی ہونے کی وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ اگر انھیں خدا محبوب نہ رکھتا تو پھر انہیں اس قدر مال و دولت کیوں دے رہا ہے اور آل واولاد سے اتنا کیوں نواز رہا ہے؟ گویا

مال ودولت کی فراوانی اور آل واولاد کی کثرت ان کے نزدیک اللہ کی قربت کی دلیل تھی، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں کو مال ودولت اور آل اولاد کی کثرت سے بطورِ استدراج اور مہلت کے بھی نوازتا ہے، ہر زمانہ میں ایسا ہوتا ہے، اور آج بھی خدا کے نافرمان بندوں اور دن ورات عیش وعشرت اور حرص مال وزر میں مصروف نیز خدا ورسولؐ کے احکام کے باغی افراد کے پاس دولت کی فراوانی قربت خداوندی کی دلیل نہیں ہے بلکہ انھیں ڈھیل دی جارہی ہے، انھیں مہلت مل رہی ہے، خدا جب ان کی مہلت کے دن ختم کردیگا اوران کی پکڑ کریگا، تب انھیں پتہ چلے گا کہ مال ودولت کی فراوانی کس وجہ سے تھی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ۔

''جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس کی معصیت اور گناہوں کے باوجود خوب دنیا عطا کررہا ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ خدا اس سے محبت کرتا ہے اس لئے اسے اتنی فراوانی سے عطا کررہا ہے، بلکہ یہ استدراج اور مہلت ہے، اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ. ہ

ترجمہ:۔ پس جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو جو ہم نے انھیں کی، تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، جب وہ ان چیزوں پر جو انھیں ملیں، خوش ہوئے تو ہم نے اچانک ان کی گرفت کی اور وہ حیران وحسرت زدہ رہ گئے'' (رواہ احمد مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۴۳)۔

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں کے باوجود کسی بندے پر انعامِ الٰہی کی بارش اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ وہ خدا کا قریبی ہے، بلکہ اسے ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ وہ گناہوں میں اور جری ہوتا جائے، اور خوب اچھی طرح خدا کے عذاب کے شکنجے میں آجائے۔

مال کی محبت کم کرنے کا طریقہ

مال کی محبت بہرحال اسلام کے نزدیک قبیح ہے کوئی مسلمان مال ودولت کی محبت

میں گرفتار ہو جائے یہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے، مال و دولت سے محبت تو اسے کرنا چاہئے جو مال و دولت کو ہی اصل سمجھے اور اس کو مقصود گردانے، جبکہ مسلمان کے نزدیک ایک اصل بنیادی اہمیت کی چیز عقبیٰ ہے، مال و دولت کی حرص دنیاداری کی بدترین شکل ہے، اور مالداری تو اسلام کے نزدیک بُری نہیں مگر دنیاداری کی اسلام میں کسی طرح بھی گنجائش نہیں نکل سکتی، اسلام تو دنیا سے دنیاداری کی تمام شکلیں ختم کرنے آیا ہے پھر بھلا وہ اپنے ماحول میں اسے پنپنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟

لیکن اس کے باوجود اگر کسی کے دل میں مال و دولت کی محبت انگڑائی لینے لگے اور وہ اس کی حرص وہوس میں مبتلا ہو جائے، تو اسلام نے اس کا علاج بھی تجویز کیا ہے، اور مال و دولت کی حرص کم کرنیکا طریقہ بھی سکھایا ہے۔

عموماً اغنیاء اور دولتمندوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے مال کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، دولتمندوں کا عیش وعشرت، جاہ و حشم اور کرّ وفرّ دیکھ کر ان کے ساتھ رہنے والے یا ان کے پاس آنے جانے والے بھی ان ہی جیسا بننا چاہتے ہیں، ان کے دل میں بھی یہ خواہش، یہ جذبہ انگڑائی لیتا ہے کہ وہ بھی اسی شان سے رہیں، اسی ٹھاٹھ باٹ سے زندگی گذاریں، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ اغنیاء کے پاس بیٹھنے اٹھنے سے ہی پرہیز کرو، تاکہ اس قسم کے جذبات نہ پیدا ہوں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضورؐ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا عَائِشَةُ اِنْ اَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِيْ فَلْيَكْفِكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ وَاِيَّاكِ وَمُجَالَسَةِ الْاَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِي ثَوْباً حَتىٰ تُرَقِّعِيْهِ. (ترمذی جلد اص ۲۱۰)

ترجمہ:۔ اے عائشہؓ اگر تم مجھ سے (قیامت میں) ملنا چاہتی ہو تو تمہارے لئے دنیا میں اتنا کافی ہے جو ایک مسافر کی زادِ راہ ہو، اور مالداروں کے ساتھ نشست و برخاست سے بچو، اور کوئی کپڑا پرانا سمجھ کر اس وقت تک نہ پھینکو جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگاؤ۔

حضرت مُلاّ علی قاریؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ مطلقاً اغنیاء کی مجالست اور ان کے ساتھ نشست و برخاست سے منع فرمایا گیا ہے خواہ وہ اغنیاء دیندار

ہو یا دنیادار، کیونکہ مالداروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور نشست و برخاست رکھنے سے مال کی محبت پیدا ہوگی، دنیاوی ساز وسامان کی حرص بیدار ہوگی، اور مالداروں کی طرح خود بھی بن جانے کی خواہش ہوگی۔ اور قناعت کا جوہر ختم ہو جائیگا اسی لئے کہا گیا ہے کہ اغنیاء کے مال کی چمک فقر کی لذّت ومٹھاس کو ختم کر دیتی ہے۔ (۱)

مال ودولت کی محبت کم کرنے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے سے زیادہ مال ودولت رکھنے والوں پر نظر نہ کی جائے بلکہ ان لوگوں کو دیکھا جائے جو اپنے سے مال ودولت کے اعتبار سے کم ہوں، اس صورت میں صبر وشکر کا جذبہ پیدا ہوگا، کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم فلاں سے تو اچھی حالت میں ہیں، اور اگر اپنے سے اونچی حیثیت والوں پر نظر کی گئی تو اس کے نتیجہ میں ناشکری کا جذبہ پیدا ہو جائے گا، اور ذہن یہ سوچنے لگے گا کہ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، فلاں کے پاس تو بہت کچھ ہے، اس کا یہ انجام ہوگا کہ دولت حاصل کرنے کے لئے جائز وناجائز ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے، اور شریعت کے احکام کو بالائے طاق رکھدیگا۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث شریف میں صراحت ہے۔

اُنْظُرُوْا اِلیٰ مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلیٰ مَنْ هُوَ فَوقَكُمْ فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَا تُزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (مسلم جلد۲ ص ۴۰۷)

ترجمہ:۔ اس کو دیکھو جو (مال ودولت میں) تم سے کم ہو، اسے مت دیکھو جو (مال ودولت میں) تم سے بڑھ کر ہو، یہ اس لئے ہے تا کہ تم اللہ کی نعمت کی ناشکری اور تحقیر کرنے سے بچو۔

دوسری حدیث میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِراً صَابِراً مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهِ اِلیٰ مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاقْتَدَىٰ بِهِ وَنَظَرِ فِيْ دنياه اِلیٰ مَنْ هُوَ دُوْنَهُ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلیٰ مَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ شَاكِراً صَابِراً وَمَنْ نَظَر فِيْ دينه اِلیٰ مَنْ هُوَ دُوْنَهُ وَمَنْ نَظَرَ فِی دنياه اِلیٰ مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاَسِفَ عَلیٰ مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِراً وَلَا صَابِراً. (ترمذی)

ترجمہ:۔ دو خصلتیں جس کے اندر ہونگی، اللہ تعالیٰ اسے صابر وشاکر لکھدیگا، جو کوئی اپنے دین کے معاملے میں اس پر نظر کرے جو اس سے بڑھ کر ہو، پس اس کی اقتداء کرے، اور اپنی

(۱) مرقاۃ ج ۴

دنیا کے معاملہ میں اپنے سے ادنیٰ کو دیکھے، پس اللہ کا شکر ادا کرے اس بات پر کہ اللہ نے اسے اس پر فضیلت دی اللہ اسے شاکر وصابر لکھدیگا، اور جو کوئی ادنیٰ کو دیکھے اور اپنی دنیا کے معاملے میں اپنے سے اونچے کو دیکھے پس اسے جو نہیں ملا اس پر افسوس کرے تو اللہ تعالیٰ اسے شاکر وصابر نہیں لکھے گا۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثیں مال ودولت کی حرص وہوس کو کم کرنے اور دین داری ودینی حمیّت کو بیدار کرنے کا بہترین نسخہ ہیں، دنیا داری سے بچنے اور دینداری اختیار کرنے کا اس سے بہترین طریقہ کوئی اور نہیں بتایا جاسکتا۔

حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ مال بڑی سرسبز وشاداب اور میٹھی چیز ہے، جو کوئی اسے حق کے ساتھ لیگا، اور حق کی جگہوں پر خرچ کریگا، اس کے لئے طاعت کی جگہوں پر بہترین مددگار ثابت ہوگا، لیکن جو اسے ناحق طریقوں سے حاصل کریگا، اس کا حال اس شخص کے مانند ہوجائے گا جو کھائے گا مگر سیری نہیں ہوگی اور اس کا مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۴۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ مالداری اور غنا، دنیاوی ساز وسامان اور مال ومتاع کی کثرت کا نام نہیں ہے، بلکہ اصل مالداری اور غنا، تو نفس کی مالداری ہے یعنی نفس کا اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر قناعت اور مخلوقات سے استغناء اسی کا نام حقیقت میں مالداری ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۵۴)

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے غنیمت جانو، ان پانچ چیزوں میں حضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وغناك قَبْلُ فَقْرِكَ "فقر سے پہلے اپنی مالداری کو غنیمت جانو" (ترمذی)

حدیث میں آتا ہے کہ جس نے دنیا کو حلال طریقے پر اس غرض سے حاصل کیا تاکہ وہ لوگوں سے سوال کرنے سے بچے، اور اپنے اہل وعیال کی خبر گیری نیز اپنے پڑوسیوں پر مہربانی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔ اور جس نے دنیا کو حلال ہی طریقے پر حاصل حاصل کیا مگر فخر اور دکھاوے کے لئے شہرت وناموری کے لئے

اور ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے کے لئے، تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کریگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بے حد غضبناک ہوگا۔ (مشکوٰۃ جلد۲ص ۴۴۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حلال کمائی بھی اگر شہرت وناموری اور مقابلہ کے لئے ہوتو اللہ کی ناراضگی کا سبب بن جاتی ہے، پھر بھلا حرام کمائی اگر اس مقصد کے لئے ہوتو اللہ کے غضب کا کیا عالم ہوگا؟ تصور نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ دنیاوی سازوسامان کا معاملہ ایسا ہے کہ اس سے ہر شخص فائدہ اٹھارہا ہے، نیک بندہ بھی اور فاسق وفاجر بھی، آخرت کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں نیک وبد اور حق وباطل کا فیصلہ ہوتا ہے، لہٰذا دنیا والے نہ بنو، آخرت والے بنو، کیونکہ اگر دنیا والے بن گئے تو دنیا کا انجام آخرت میں بُرا ہوتا ہے لہٰذا دنیا داروں کا بھی یہی انجام ہوگا، اور آخرت میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہوگا۔ اور حق پرستوں کے مدارج بلند ہونگے، لہٰذا جو آخرت والا بنے گا، اس کا انجام بھی حق پرستوں کے ساتھ ہوگا۔

(مشکوٰۃ جلد۲ص ۴۴۵)

علماء کو دنیادار دولتمندوں سے الگ تھلگ رہنا چاہئے

امّتِ مسلمہ میں سب سے زیادہ ذمہ دار حیثیت علماء کی ہے، علماء کے سدھرنے اور بگڑنے کا براہِ راست اثر عام امّت پر پڑتا ہے، اگر علماء میں سدھار ہوگا، تو عوام بھی انھیں دیکھ کر، ان کی سیرت وکردار کو پڑھ کر، ان کی باتوں کو سن کر سدھریں گے، بگاڑ کی راہوں سے خود کو بچائیں گے، لیکن اگر علماء ہی بگڑ گئے۔ اُن میں دنیاداری، جاہ پرستی، دین فروشی، مذہب سے بیزاری اور ریاکاری جیسے جذبات پیدا ہوگئے تو عوام کا خدا ہی حافظ ہے، عوام تو اور زیادہ بگڑ جائیں گے، انھیں علماء کو دیکھ کر ایک اچھا بہانہ ہاتھ آجائیگا، نتیجہ یہ ہوگا کہ بگاڑ وفساد کا ایک سیلِ رواں پھوٹ پڑیگا، جس پر بند لگانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوجائے گا، اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے۔

اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ (دارمی)

ترجمہ:۔خبردار! برائیوں میں سب سے بڑی برائی علماء کا بڑا ہونا ہے اور اچھائیوں میں سب سے بڑی اچھائی علماء کا اچھا ہونا ہے۔

حضرت زیاد بن حدیر سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جانتے ہو کیا چیز اسلام کی عزت کو ملیامیٹ کرتی ہے؟ پھر خود ہی فرمایا۔

يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمِ الْأَئِمَّةِ الضَّالِّيْنَ رواه الدارمی (مشکوۃ ج۱ص ۳۷)

ترجمہ:۔عالم کا پھسل جانا، منافق کا کتاب اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنا، اور گمراہ حکمرانوں کا فیصلہ اسلام کو منہدم کردیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ علماء کے اچھے یا بُرے ہونے کا اثر عوام پر بدیہی طور پر پڑتا ہے، لہٰذا علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ علماء کی شان کے ساتھ رہیں، اور اپنے اندر وہ جوہر پیدا کریں جو عالمِ دین ہونے کا بنیادی تقاضا ہے، اگر علماء اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کریں گے تو کون کریگا؟۔

حضور اکرم ﷺ نے عام طور پر اغنیاء اور دولتمندوں کی مجالست سے منع فرمایا ہے، اس کی بنیاد پر علماء کو خاص طور سے اس کا دھیان رکھنا چاہئے کہ وہ اس سے بچیں، ورنہ ان کی ہم نشینی علماء کے اندر دنیا کی حرص وطمع اور دنیاداری کے جذبات پیدا کردے گی جس کے خطرناک نتائج سامنے آئیں گے، اور علماء گمراہی اور خواہشاتِ نفس کی پیروی میں لگ جائیں گے، اور عالمانہ شان ختم ہو کر رہ جائے گی، حضرت کعبؓ سے ایک بار حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کس چیز نے علماء کے قلوب سے علم کو نکال دیا؟ کعبؓ نے فرمایا ''دنیا کی حرص وطمع نے'' (دارمی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

لَوْاَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْهُ عِنْدَاَهْلِهٖ لَسَادُوْا بِهٖ اَهْلَ زَمَانِهِمْ وَلٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوْا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُوْلُ، مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ اَحْوَالَ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ. (ابن ماجہ ص۲۳)

ترجمہ:۔ اگر اہلِ علم اپنے علم کی حفاظت کرتے، اور اسے اس کے اہل کو سکھاتے تو اس کے ذریعہ اپنے زمانہ کے سردار ہو جاتے، لیکن ان لوگوں نے علم دنیاداری پر خرچ کرنا شروع کر دیا، صرف اس لئے تا کہ ان کی دنیا حاصل کریں، پس انکے سامنے خود کو ذلیل کر دیا، میں نے تمہارے نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس نے سارے غموں کو چھوڑ کر ایک غم، غمِ آخرت کو اپنا لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی غموں کیلئے کافی ہے، اور جس نے تحصیل دنیا کی خاطر طرح طرح کے غم اپنا لئے تو اس کے بارے میں خدا کو پرواہ نہیں ہے کہ غموں کی کس وادی میں وہ ہلاک ہو گیا۔

بہت سے علماء دولتمندوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے ہیں، جب ان کو ٹو کا جائے اور یاد دلائے جائے کہ آپ کا یہ کام علماء کی شان کے مناسب نہیں ہے، اس سے علماء کی قدر و منزلت گھٹتی ہے، اور دنیا طلبی کے جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں، تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہم دولتمندوں سے صرف کچھ فائدہ اٹھانے کے لئے جاتے ہیں، جہاں تک ہمارے دین کا معاملہ ہے اس میں ہم کسی قسم کی خرابی ان کی ہم نشینی سے نہیں آنے دیتے۔

اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے اور اس انداز میں سوچنے والے علماء کے متعلق حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اُنَاسًا مِنْ اُمَّتِی سَیَتَفَقَّهُوْنَ فِی الدِّیْنِ وَیَقْرَؤُوْنَ الْقُرآنَ یَقُوْلُوْنَ نَاتِیَ الْاُمَرَاءَ فَنُصِیْبُ مِنْ دُنْیَاهُم وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِیْنِنَا وَلَا یَکُوْنُ ذَالِكَ کَمَا لَا یُجْتَنٰی مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْكُ کَذٰلِكَ لَا یُجْتَنٰی مِنْ قُرْبِهِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّباحِ کَاَنَّهٗ یَعْنِی الْخَطَایَا. (ابن ماجہ ص ۲۳)

میری امت میں سے کچھ لوگ جو دین میں تفقہ حاصل کریں گے، اور قرآن بھی پڑھتے ہونگے وہ یہ کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس اس لئے جاتے ہیں تا کہ ان سے کچھ دنیا حاصل کر سکیں اور ہم اپنے دین کے ذریعہ ان کے گناہوں سے بچے رہتے ہیں، حضور فرماتے ہیں کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ان کے گناہوں میں شریک نہ ہو سکیں، کیونکہ کانٹے دار درخت سے آدمی کانٹا ہی چنے گا، اسیطرح امراء کی قربت سے آدمی معاصی وخطایا کے پھل

ہی کاٹے گا۔

واضح رہے کہ علماء کو جس طرح دولتمندوں اور مالداروں کیساتھ ہم نشینی سے روکا گیا ہے ،اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ علماء ظالم بادشاہوں اور حکام کے ساتھ نشست وبرخاست نہ رکھیں، ان کے یہاں بلاضرورت جانے آنے کا سلسلہ نہ قائم کریں، ضرورت کے وقت تو اغنیاء کے پاس بھی جانے کی اجازت ہے مگر مستقل طور پر ان کی ہم نشینی اور مجالست کو علماء کی شان کے لئے مضر قرار دیا گیا ہے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے آمین۔

غربت ونا داری

دین میں پہل کرنے والے غرباء ہیں

دنیا کے انسانوں میں جن امور میں باہم تفاوت ہے ان میں سے ایک فقر وغنا بھی ہے، غریب و مالدار کی تقسیم کا سلسلہ کوئی نیا نہیں ہے، کتب تاریخ اور کتب مذاہب کے مطالعہ سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ یہ تفاوت بہت قدیم ہے اور شاید اتنا ہی قدیم ہو جتنی خود انسان کی تاریخ، قرآن شریف میں جہاں انبیاء کرام کی بعثت کا ذکر ہے، وہاں یہ بات بھی ملتی ہے کہ انبیاء کرام کی دعوت کو قبول کرنے والے ابتداءً کمزور، ضعیف اور غریب ومسکین افراد ہی ہوتے تھے، مالدار طبقہ اور حکومت وسربراہی سے چمٹے ہوئے افراد اپنی دولت واقتدار کے نشہ میں اس قدر چور ہوتے تھے کہ وہ انبیاء کرامؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت سننے تک کے روادار نہ ہوتے، اور یہ کہہ کر انبیاء کرامؑ اور انکے متبعین کی توہین وتذلیل کرتے کہ نہ تمہارے پاس روپے پیسے اور جاہ واقتدار ہے، نہ تمہارے ماننے والوں کے پاس، تم خود بھی فقر وفاقہ کی زندگی بسر کر رہے ہو، اور تمہارے پیروؤں کی اکثریت بھی اسی کی شکار ہے، پھر بھلا تم نبی ورسول کیسے ہو گئے، اور تمہارے متبعین ہدایت وفلاح کیا پائیں گے، جبکہ پیٹ بھرنے کیلئے روٹی اور تن ڈھکنے کے لئے کپڑا تک میسر نہیں ہے؟ گویا وہ انبیاء کرامؑ اور انکے ماننے والوں کی فقر وفاقہ اور تنگدستی کی زندگی پر طنز کیا کرتے تھے۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم کے سرداروں نے حضرت نوح علیہ السّلام سے جو کچھ کہا تھا اس کا نقشہ قرآن یوں کھینچتا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ.

پس قوم کے اُن سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، کہا ہم تو تم ہی اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ تم ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو، اور جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے اُن ہی میں اُن لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں دکھائی دیتا جو ہم میں ذلیل وحقیر ہیں اور بے سوچ سمجھے تمہارے پیچھے ہولئے ہیں۔ ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔

قرآن کی آیات کے بموجب ان دولتمندوں اور جاہ وحشم کے بھوکوں کو بتادیا گیا کہ دولت واقتدار ہی سب کچھ نہیں ہے نہ ہی مال ومنصب، اس بات کی علامت ہیں کہ جس کو یہ حاصل ہو وہ خدا کا پیارا ہے، بلکہ اصل چیز تعلق مع اللہ ہے، اصل چیز اپنی بندگی کا اقرار اور خدا کو معبود و تسلیم کر کے خدا کے حکموں کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے، خواہ مالدار ہو، یا غریب، عہدہ دار ہو یا بے عہدہ، اقتدار کا مالک ہو یا اقتدار سے الگ، ہر ایک کی کامیابی وکامرانی اور فلاح وبہبود انھیں چیزوں کے ساتھ کامل وابستگی میں ہے، کیونکہ دولت واقتدار کا مقصد انسانوں کی آزمائش اور مہلت بھی ہوتی ہے، لہٰذا انھیں دیکھ کر اس قدر خوش ہوجانا کہ آخرت تک کو فراموش کردے، عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

تمام انبیاء ورسلؑ کے ماننے والوں میں ابتداء وہی لوگ آگے بڑھے، اور وہی نعمتِ ایمان سے نوازے گئے جنھیں دنیا مفلس ولاچار، غریب محتاج اور بیکس ومجبور کہتی اور سمجھتی تھی۔

حضور اکرم ﷺ نے جب شاہانِ دنیا کے نام دعوت دین کے خطوط روانہ فرمائے، تو حضرت دحیہ کلبیؓ کے ذریعہ ہرقل روم کے پاس ایک مکتوب روانہ فرمایا، ہرقل شام میں تھا، اس نے اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ یہ جن صاحب کا خط ہے، اگر ان کی قوم کا کوئی فرد شام میں ہو تو اسے حاضر کرو، میں اس سے ان صاحب کے بارے میں کچھ باتیں دریافت کروں گا، چنانچہ حضرت ابوسفیانؓ بغرضِ تجارت ملکِ شام گئے تھے، اور ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، اُنھیں کو ہرقل کے دربار میں حاضر کیا گیا، ہرقل نے

حضرت ابوسفیانؓ سے حضورﷺ کے متعلق جو سوالات کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔

مَنْ يَتَّبِعُهُ اَشْرَافُ الْقَوْمِ اَمْ ضُعَفَاءُ هُمْ.؟

ان کی پیروی کون کر رہا ہے، ضعفاء یا اونچے طبقہ کے لوگ۔؟

حضرت ابوسفیانؓ نے جواب دیا تھا کہ **بل ضعفاء هم** ''محمدﷺ کی اتباع و پیروی ضعفا کر رہے ہیں'' اس جواب پر ہرقل نے کہا تھا کہ ہر نبی و رسولؑ کے پیرو ابتداءً ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں، کیونکہ اونچے طبقہ کا غرور و گھمنڈ انھیں دعوت حق کے قبول کرنے سے روکتا ہے۔ (۱)

یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ سماج اور معاشرہ میں کمزور اور کچلے ہوئے سمجھے جاتے ہیں، جن کا شمار فقراء و مساکین اور بیکسوں و مجبوروں میں ہوتا ہے، وہ غرور و گھمنڈ اور نخوت و تمکنت سے کوسوں دور ہوتے ہیں، بے چارے غُرور کریں بھی تو کس پر؟ ان کے پاس ہوتا ہی کیا ہے؟ جس پر اترائیں اور اکڑ دکھائیں، اس کے برعکس وہ لوگ جو سماج میں اونچے طبقے کے مانے جاتے ہیں، جن کا شمار رؤسا، اور دولتمندوں میں نیز حکام و سربراہوں میں ہوتا ہے ان میں کم لوگ ہی ایسے ملتے ہیں جو غرور و تکبّر سے دور ہوں، اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ دنیاوی جاہ و اقتدار اور دولت و مال کا نشہ انھیں نخوت کے آسمان پر پہونچا دیتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور ان کے متبعین جو کہ بالعموم ضعفاء میں سے ہی رہے ہیں، کی باتوں کو سننا، ان پر توجہ دینا اور توجہ دینے کے بعد قبول کر لینا بڑا مشکل ہوتا ہے، غرور و تکبر انھیں ان باتوں پر دھیان دینے کی اجازت ہی نہیں دیتا، دولت و اقتدار کا نشہ ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ دور تک دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

حضور اکرمﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں پہل کرنیوالے اکثر غرباء و ضعفاء ہی تھے، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیبؓ رومی، حضرت خبابؓ، بن الارثؓ حضرت عمارؓ، حضرت یاسرؓ، حضرت اُمّ ایمنؓ، حضرت زیدؓ وغیرہ یہ وہ ضعفاء عرب ہیں جو آغاز اسلام ہی میں دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے، رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔

(۱) بخاری جلد ۱ ص ۴ ۱۲

فقر وغربت کا مطلب

قبل اس کے کہ غرباء وفقراء کے سلسلے میں آگے بیان کیا جائے، سب سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ غربت اور فقر کسے کہتے ہیں؟ اور غریب وفقیر ہونے کا کیا مطلب ہے؟۔

عربی زبان میں ''غربت'' کے معنی مسافرت اور ''غریب'' کے معنی ''اجنبی'' کے ہیں، مگر اردو زبان میں ان دونوں الفاظ کے یہ معنیٰ نہیں ہیں، بلکہ دونوں لفظ مسکینی محتاجگی اور فقر کے معنیٰ پر بولے جاتے ہیں، گویا غربت اور غریبی کے الفاظ کا فقر و مسکینی دونوں پر اطلاق ہوتا ہے، البتہ عربی زبان میں فقیری الگ چیز ہے اور مسکینی الگ، فقیر اور مسکین کی تعریف میں اختلاف ہے، بعض لوگوں کے نزدیک فقیر وہ ہے جو مالکِ نصاب نہ ہو مگر تھوڑا بہت ہو، اور مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو(۱) صاحب ہدایہؒ نے اس کے برعکس تعریف کی ہے(۲) اور احناف کی یہی رائے ہے(۳)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس مال نہ ہو، اور نہ اسے کمانے پر قدرت حاصل ہو، اگر کسی کے پاس ایک دن کا کھانا اور لباس موجود ہو تو اسے فقیر نہیں کہا جائیگا، بلکہ وہ مسکین کہلائیگا، البتہ اگر آدھے دن کا کھانا ہو یا ناقص لباس ہو، مثلاً قمیص ہو، رومال، موزہ اور پائجامہ نہ ہو، اور نہ قمیص کی قیمت اتنی ہو کہ اسے فروخت کر کے اپنا معیار کے مطابق یہ تمام چیزیں حاصل ہوسکیں تو ایسے شخص کو فقیر کہا جائے گا''۔(۴)

آگے لکھتے ہیں ''اگر کوئی فقیر مانگنے کا عادی ہو تو اپنی اس عادت کی بناء پر وہ فقیری کے دائرے سے نہیں نکلے گا، اس لئے کہ سوال کرنا کمائی نہیں ہے، ہاں اگر وہ کمانے پر

(۱) شامی جلد۲ ص ۵۸ (۲) ہدایہ جلد اوّل ص ۲۸۴ (۳) شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۳۶
(۴) احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۵۵۵ ۱۲

قادر ہو تو فقیر نہیں رہے گا،،(۱)

''مسکین،، کے متعلق امام غزالیؒ فرماتے ہیں ''مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آمدنی اس کے اخراجات کے لئے ناکافی ہو، یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہو اور مسکین ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شخص محض کلہاڑی اور رسّی رکھتا ہو مگر غنی ہو وہ مختصر مکان جس میں وہ رہتا ہے، یا وہ لباس جس سے وہ اپنے معیار کے مطابق ستر پوشی کرتا ہے اسے مسکنت کے دائرے سے نہیں نکالتے، گھر کی ضرورت کا سامان بھی بھی مسکینی کے لئے مانع نہیں ہے مگر وہ سامان اس کے حال اور معیار کے مطابق ہونا چاہئے،،(۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے ایک شخص نے کہا کہ کیا ہم فقرائے مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ حضرت عبداللہ نے اس شخص کے احوال پوچھے تو اس نے بتایا کہ میری بیوی بھی ہے اور میرا ایک خادم بھی ہے، یہ سن کر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ان چیزوں کی موجودگی میں تو تم مالدار ہو؟ تو بادشاہ ہو،،(۳)

''فقراء،، تصوف کی اصطلاح میں

صوفیاء کرامؒ کی اصطلاح میں فقر اور فقیری بہت بڑی چیز ہے، اس کا حصول نیز اس کے آداب کا ملحوظ رکھنا بے حد مشکل کام ہے، فقر اور فقراء کے سلسلے میں صوفیاء کرامؒ کے کچھ اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

یحیٰ بن معاذؒ کے نزدیک فقر کی حقیقت یہ ہے کہ ''بندہ صرف اللہ سے اپنی احتیاج پیش کرے، اور اس کی رسمی تعریف یہ ہے کہ تمام مال واسباب کا فقدان ہو،،۔

ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ ''کسی شخص کا فقر اس وقت تک صحیح نہیں، جب تک اس کے نزدیک دوسروں کو دینا خود لینے سے زیادہ محبوب نہ ہو،، اسی سے ملتی جلتی ایک اور

(۱) احیاء علوم الدین جلد ۱ ص ۵۵۶ ۱۲۔ یہاں یہ بات مدِ نظر رہے کہ جن فقیروں کا پیشہ مانگنا ہو، اور یہ بھی معلوم ہو کہ وہ مالدار ہیں تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، وہاں اگر لاعلمی میں زکوٰۃ دیدی تو ادا ہوگئی۔ (۲) حوالۂ مذکورہ۔ ۱۲ (۳) مسلم جلد ۲ ص ۴۱۰ ۔ ۱۲ ج

بزرگ کی رائے ہے، وہ کہتے ہیں کہ "فقیر کی تعریف یہ ہے کہ مال موجود نہ ہو تو اس پر سکون کی کیفیت طاری رہے اور مال موجود ہو تو بذل و ایثار کا جذبہ چھا جائے"(۱)

شیخ مخدوم علی ہجویریؒ فرماتے ہیں۔

فقیر وہ ہے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور نہ کسی چیز سے اس کا نقصان ہو نہ تو اسبابِ دنیاوی کے موجود ہونے سے وہ غنی ہوتا ہے اور نہ نہ رہنے سے اس کا محتاج رہتا ہے، اسباب کا ہونا نہ ہونا اس کے فقر کے نزدیک برابر ہے اور اگر ان اسباب کے نہ ہونے پر وہ زیادہ خوش ہو تو جائز ہے اس لئے کہ مشائخِ صوفیہ نے فرمایا ہے کہ درویش جتنا تنگدست ہوتا ہے اتنا ہی وہ خوشحال ہوتا ہے کیونکہ اسباب کا ہونا درویش کے لئے بہت بُرا ہے، یہاں تک کہ جتنا کسی چیز کو وہ خود اپنے پاس روکے رکھتا ہے اتنا ہی وہ خود مقید اور پابند رہتا ہے، بس اولیاء اللہ کی زندگی مخفی عنایات و اسرارِ الٰہی کے ساتھ قربِ حق میں بہتر ہے، نہ کہ دنیا کے اسباب کے ساتھ جو بے وفا اور بدکاروں کا گھر ہے، غرض دنیاوی ساز و سامان رضائے الٰہی کے رستہ میں روکنے والے ہیں"(۲)

امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب احیاء العلوم میں آدابِ فقر پر بہت تفصیل سے کلام کیا ہے، امام غزالیؒ کے نزدیک فقیر کے کچھ آداب باطنی ہیں، کچھ آداب ظاہری، کچھ اعمال کے آداب ہیں کچھ افعال کے، فقیر کے باطن کا ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس فقر و فاقہ میں مبتلا کیا ہے، اس کی کراہت و ناپسندگی دل میں پیدا نہ ہو، یعنی فقر و فاقہ کی طبعی تکلیف محسوس نہ کرے، یہ فقیر کے باطنی ادب کا ادنیٰ درجہ ہے، اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے فقر و فاقہ پر راضی ہو، اس سے بھی اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مالداری اور تونگری کی برائیوں پر مطلع ہو جانے کے بعد فقر کا طالب اور اس پر خوش ہو، اور اللہ پر بھرپور توکل کرتے ہوئے بقدرِ کفاف رزق سے زیادہ پسند نہ کرتا ہو، فقیر کا ظاہری ادب یہ ہے کہ وہ کسی کے سامنے مانگنے کے لئے ہاتھ نہ پھیلائے، اپنے فقر کو چھپائے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ بہت آسودہ حال اور پُرسکون ہے، فقیر کے اعمال کا ادب یہ ہے کہ وہ دولتمندوں کے سامنے اپنی غربت و ناداری اور ان کی تونگری کی وجہ سے خاکساری اور تواضع نہ کرے، بلکہ خودی کا مظاہرہ کرے، اور اس انداز کی خودی

(۱) رسالہ قشریہ۔ ۱۲ ج (۲) بیان المطلوب ترجمہ کشف المحجوب ص ۴۱ ۱۲

ہو کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ خود کو دولت مندوں سے کسی طرح کم نہیں سمجھتا، دوسری بات یہ ہے کہ دولتمندوں کے ہدایا وتحائف کی لالچ میں سچی بات کہنے سے نہ چوکے اور نہ خاموشی اختیار کرے، ورنہ اس سے مداہنت کا شبہ ہوگا، فقیر کے افعال کا ادب یہ ہے کہ وہ فقر وفاقہ اور تنگدستی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضیت میں کسی قسم کی سستی اور کاہلی نہ کرے، اگر اس کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو تو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردے، فقیر کی شان کے مناسب یہی بات ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ مال جمع نہ کرے۔ (۱)

دنیا خدا کے نزدیک نہایت حقیر چیز ہے

بظاہر یہ دنیا اور اس کا سارا کارخانہ کتنا دل فریب، کتنا جی کو لبھانیوالا اور کتنا خوش کن ہے، جو اس کی دل فریبی سے متاثر ہو کر اس میں لگا، وہ اسی کا ہو کر رہ گیا، اس جی کے جنجال سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے، لیکن آیئے دیکھیں کہ خدا کے نزدیک اس دلفریب دنیا کی کیا اہمیت وحقیقت ہے؟ اور آخرت کے مقابلے میں اس کا کیا درجہ ہے؟۔

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔

مَا مَثَلُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَا يرجع. (ابن ماجہ ص ۳۱۲)

ترجمہ:۔ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں بس اتنی بھی نہیں ہے کہ جیسے تم میں سے کوئی سمندر میں اپنی انگلی ڈالے پھر دیکھے کہ اس کی انگلی میں سمندر کا کتنا پانی لگا ہے۔

یعنی جس طرح سمندر میں انگلی ڈالنے سے جو پانی انگلی میں لگتا ہے اس کا اس پانی سے کیا مقابلہ جو سمندر میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اسی طرح آخرت میں جو اللہ کی نعمتیں اور نوازشیں ہیں، ان کے اور دنیاوی مال ومنال کے مابین سمندر وقطرہ کی نسبت سمجھنا چاہئے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت جابرؓ یہ واقعہ اور نقل کرتے ہیں کہ ایک بار حضور

(۱) احیاء علوم الدین جلد چہارم ص ۱۲۸ ۱۲

ﷺ کا گزر ایک مرے ہوئے بھیڑ کے بچے پر سے ہوا جس کے دونوں کان کٹے ہوئے تھے، حضورؐ نے فرمایا۔

اَیُّکُمْ یُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ .

ترجمہ:۔کون تم میں سے اس کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ''ہم تو مفت لینا بھی پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ ایک درہم دے کرلیں''۔حضورؐ نے فرمایا۔

فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ . (مسلم جلد۲ص ۴۰۷)

ترجمہ:۔خدا کی قسم یہ دنیا خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل وحقیر ہے جتنا تمہارے نزدیک یہ مراہوا بھیڑ کا بچہ۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس دنیا کی حیثیت خدا کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدَلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَّا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ [1] (ترمذی ج۲ص ۵۶)

ترجمہ:۔اگر اس دنیا کی حیثیت خدا کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی پانی نہ پینے دیتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دنیا خدا کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی، کیونکہ اگر اتنی اہمیت بھی اسے حاصل ہوتی تو کفار ومشرکین کو دنیا میں نہ کھانے کو ایک لقمہ ملتا نہ پینے کو ایک گھونٹ پانی۔ حالانکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مسلمانوں کی طرح کفار ومشرکین بھی دنیا سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں اور بعض اعتبارات سے وہ مسلمانوں سے زیادہ ہی مستفید ہو رہے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا چونکہ مشرکین کو بھی کھانے پینے اور دیگر ضروریات سے نواز رہا ہے اس لئے بمجوائے حدیث خدا کے نزدیک اس حقیر دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔

(۱) ترمذی جلد۲ص ۵۶ ۱۲۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کارخانۂ عالم میں جسے دنیا کہا جاتا ہے کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی چیز بُری، کون قابل تعریف ہے اور کون لائق ملامت ولعنت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَمَلْعُوْنٌ مَّا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَا وَالَاہُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ. (ترمذی جلد۲ص ۵۶)

ترجمہ:۔ خبردار! دنیا ملعون ہے اور دنیا میں جو چیزیں ہیں وہ بھی ملعون ہیں، سوائے اللہ کے ذکر کے اور ان چیزوں کے، جو ذکر اللہ سے مقاربت ومماثلت رکھیں، اور علمِ دین کا جاننے والا اور علمِ دین کا سیکھنے والا۔

یہ حدیث صاف طور پر یہ بتاتی ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور نظر فریبیوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، وہ بہت بڑا احمق ہے جو دنیا کی دل فریبی پر لٹو ہو جائے اور اس کو اپنا مطمح نظر اور مقصدِ زندگی بنالے، عقلمند وہ ہے جو دنیا کی حقارت کو سامنے رکھ کر آخرت کی تیاری کرے، ذکر اللہ میں مشغول ہو، اور ذکر اللہ سے مشابہت رکھنے والی چیزوں میں دلچسپی لے، علمِ دین کو سیکھے سکھائے، آخرت کے اعتبار سے دنیا میں یہی چیزیں کار آمد ہیں، باقی صرف دھوکہ دہی اور فریب نظر کا سامان ہیں۔

آرزوئیں اور تمنائیں کم کی جائیں

فقر وغربت کی زندگی انھیں کو راس آتی ہے جن کی دنیا میں تمنائیں اور آرزوئیں کم ہوں، جو لوگ بڑی بڑی آرزوئیں رکھتے ہیں، جن کے ساتھ تمناؤں کا لامتناہی سلسلہ ہوتا ہے ان کی مال ودولت کی ہوس بڑھتی جاتی ہے، ایک آرزو پوری ہوئی، دوسری پیدا ہو جاتی ہے، ظاہر ہے کہ فقر وفاقہ میں خوش وخرم وہی زندگی بسر کر سکتا ہے جو اپنی آرزوؤں اور تمناؤں پر پابندی لگائے رکھے، ان کا سلسلہ دراز نہ ہونے دے، ورنہ جو لوگ آرزوؤں پر آرزوئیں بڑھاتے چلے جائیں وہ کبھی فقر وغربت پر صبر کر ہی نہیں سکتے، وہ کبھی فقر وفاقہ میں شادوخرم رہ ہی نہیں سکتے۔

دنیا میں مال ودولت کی ہوس، تمناؤں کے بڑھنے سے ہی پیدا ہوتی ہے جب انسان ''یہ بھی ہوجائے، وہ بھی ہوجائے'' کے چکر میں پڑ جاتا ہے، تو اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کی فکر میں یہ تک بھول جاتا ہے کہ وہ انھیں جائز طریقے پر پورا کررہا ہے یا ناجائز طریقے پر، اس کے سامنے صرف آرزوؤں کو پورا کرنے کی بات ہوتی ہے، کسی طرح بھی بن پڑے، جائز وناجائز کا سوال وہ اٹھا کر طاق پر رکھ دیتا ہے۔

چونکہ دنیاوی حرص وہوس کے پیدا اور پھیلنے کی بنیادی وجہ آرزوؤں اور تمناؤں کا دراز ہونا ہے، اس لئے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ زیادہ آرزوئیں اور تمنائیں نہ کی جائیں.... انسانی تمناؤں کا تو یہ عالم ہے کہ انسان اپنی موت کے بعد تک کے منصوبے باندھتا رہتا ہے مثلاً اللہ کے یہاں اس کی زندگی صرف دس سال باقی ہوتی ہے، اور اس کی تمناؤں اور منصوبوں کا سلسلہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ وہ دس سال سے کہیں آگے نکل جاتا ہے، یہاں تک کہ موت آجاتی ہے، اوراس کے منصوبے اسی کے ساتھ دفن ہوجاتے ہیں (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِیْ الْھَوٰی وَطُوْلَ الْاَمَلِ، فَاَمَّا الْھَوٰی فَیَصِدُّ عَنِ الْحَقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَیُنْسِی الْاٰخِرَۃَ وَھٰذِہِ الدُّنْیَا مُرْتَحِلَۃٌ ذَاھِبَۃٌ وَھٰذِہِ الْاٰخِرَۃُ مُرْتَحِلَۃٌ قَادِمَۃٌ وَلِکُلِّ وَاحِدَۃٍ مِّنْھُمَا بَنُوْنَ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ لَا تَکُوْنُوْا مِنْ بَنِی الدُّنْیَا فَافْعَلُوْا فَاِنَّکُمُ الْیَوْمَ فِیْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَاَنْتُمْ غَداً فِیْ دَارِ الْاٰخِرَۃِ وَلَا عَمَلَ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) (۲)

ترجمہ:۔ بلاشبہ سب سے زیادہ میں اپنی امت کے معاملے میں جس بات سے ڈرتا ہوں وہ خواہشات اور لمبی آرزوئیں ہیں کیونکہ خواہشات انسان کو حق سے روک دیتی ہیں، اور لمبی آرزوئیں آخرت کو بھلاوے میں ڈال دیتی ہیں۔ یہ دنیا تو کوچ کرنیوالی اور جانے والی چیز ہے اور یہ آخرت آنیوالی چیز ہے ان میں سے ہر ایک کے کچھ افراد ہیں اگر تم دنیا دار بننے

(۱) بخاری ج ۲ ص ۹۵۲ (۲) مشکوۃ ج ۲ ص ۴۴۴ ۱۲

سے بچ سکو تو ضرور بچو، کیونکہ آج یہ دنیا دارالعمل ہے، اور حساب آج نہیں ہونا ہے اور کل تم دارالآخرت میں ہوگے، وہاں حساب ہوگا، عمل کی مہلت نہ ہوگی۔

حدیث میں آتا ہے کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی دو چیزیں جوان ہو جاتی ہیں، ایک مال کی حرص، دوسرے زندگی کی حرص، (۱) ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بوڑھے کا بھی دل دو باتوں میں جوان ہو جاتا ہے، ایک دنیا کی محبت، دوسرے لمبی آرزوئیں، میں (۲) انسان کی دولت کی حرص کا یہ عالم ہے کہ اگر اسے مال کی دو وادیاں بھی مل جائیں تو تیسری کی فکر میں لگ جاتا ہے، انسان کا پیٹ تو مٹی ہی بھرتی ہے یعنی انسانی آرزوؤں کا سلسلہ قبر ہی میں جا کر ختم ہوتا ہے۔ (۳)

بہت لوگ ناواقفیت سے یہ سمجھتے ہیں کہ معمولی کپڑوں اور معمولی غذاؤں کے استعمال کا نام بزرگی اور زہد ہے حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ اس کا نام زہد نہیں ہے، بلکہ

اَلزُّهْدُ فِی الدُّنْیَا قَصْرُ الْاَمَلِ (رواہ فی شرح السنۃ) (۴)

ترجمہ:۔ زہد تمناؤں کے کم کرنے کا نام ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا ہے کہ زہد کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا۔

طِیْبُ الْکَسْبِ وَقَصْرُ الْاَمَلِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) (۵)

بلا شک وشبہ زہد اور بزرگی آرزوؤں کو کم کرنے کا نام ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص کھانا معمولی کھاتا ہے، کپڑے کھردرے اور معمولی پہنتا ہے مگر لمبی چوڑی تمنائیں اپنے ساتھ لئے پھرتا ہے تو مال و دولت کی حرص سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا، ایسا شخص طویل طویل آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے دنیاداری کے چکر میں اس طرح پھنس کر رہ جائیگا کہ فکرِ آخرت تک پسِ پشت جا پڑے گی۔ تمناؤں اور منصوبوں کو روبعمل لانے کی فکر میں جائز و ناجائز حدود تک کا خیال نکل جائیگا ظاہر ہے کہ ان باتوں کی موجودگی میں صرف موٹا اور جھوٹا کپڑا پہننے اور معمولی غذا استعمال کرنے سے بزرگی اور

(۱) بخاری ج ۲ ص ۹۵۰ ۱۲ (۲) حوالۂ مذکورہ (۳) بخاری جلد ۲ ص ۹۵۲ ۱۲
(۴) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۰ (۵) حوالۂ مذکورہ۔ ۱۲ ج

زہد تھوڑی آ جائے گی؟ اصل زہد وہیں سے شروع ہوگا، جب لمبی چوڑی آرزوؤں پر پابندی لگائی جائے گی، طویل طویل تمناؤں پر روک لگے گی۔

حضور اقدس علیہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَلْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ (رواه البيهقي في شعب الايمان . (مشکوٰۃ جلد۲ص۴۵۰)

اس امت کی درستگی کا اوّل زینہ آخرت پر بھرپور یقین اور دنیا سے بے رغبتی ہے اور اس امت کے فساد و بگاڑ کا اوّل زینہ بخل اور لمبی آرزوئیں ہیں۔

قلّتِ مال باعثِ امن وراحت

لوگوں کا یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ مال و دولت کی قلّت کو بُرا سمجھتے ہیں اور اس کی کثرت کو خوش نصیبی کی علامت قرار دیتے ہیں، حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ مال کی کثرت فتنہ وفساد کا ذریعہ ہے، اس کے برخلاف مال کی قلّت امن وسکون کا ذریعہ بنتی ہے، ایک بار حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ کیا کوئی آدمی ہے جو پانی پر چلے، مگر اس کا قدم نہ بھیگے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "نہیں"، حضور نے فرمایا۔

كَذَالِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَايُسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ (رواه البيهقي في شعب الايمان) (۱)

اسی طرح دنیادار گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔

یعنی جس طرح پانی پر چلنے والے کا قدم بھیگنا ضرور ہے، اسی طرح دنیا کے مال ومنال میں پھنسنے والا آدمی گناہوں میں ملوث ضرور ہو جاتا ہے پانی پر چلنے والا اپنے قدم کو بھیگنے سے بچا نہیں سکتا، اور دنیا میں پھنسنے والا گناہوں سے اپنے دامن کو نہیں بچایا جاتا۔

حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

اَغْبَطُ اَوْلِيَائِىْ عِنْدِىْ لَمُؤْمِنٌ نَفِيْفُ الْحَاذِ ذُوْحَظٍّ مِّنَ الصَّلٰوةِ اَحْسَنَ

(۱) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۴ ـ ۱۲

عِبادةِ رَبّهِ وَاَطَاعَهُ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُشَارُ اِلَيْهِ بالْاَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافاً فَصَبَر عَلىٰ ذَالِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهِ فَقَالَ عَجِلَت مَنِيَّتُهُ قَلَّتْ بَوَاكِيَهُ قَلَّ تُرَاثُهُ (ترمذی ج ۲ ص ۵۸)

ترجمہ:۔ میرے دوستوں میں قابل رشک وہ مؤمن ہے جو قلیل المال ہو اور نماز میں زیادہ حصہ لینے والا ہو، اپنے رب کی اچھی طرح عبادت کرے، پوشیدگی میں بھی اللہ کی اطاعت کرے، اس کی کوئی شہرت نہ ہو، انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ نہ کیا جاتا ہو، اس کا رزق بقدرِ کفاف (ضرورت بھر) ہو اور وہ اس پر صبر کرے پھر حضورؐ نے چٹکی بجا کر فرمایا کہ اسی طرح چٹکی بجاتے اس کی موت ہو جائے اس کے رونے والے کم ہوں، اس کی میراث بھی کم ہو۔

حضرت ابودرداؓ کی ماں نے ان سے کہا جس طرح فلاں فلاں لوگ مال و دولت حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، تم کیوں نہیں کرتے؟ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا ہے کہ آپ فرمارہے تھے۔

تمہارے سامنے ایک دشوار گذار گھاٹی (آخرت) ہے، اسے وہ لوگ عبور نہ کرسکیں، جو زیادہ وزن لئے ہوئے ہونگے۔

ابودرداؓ نے کہا، اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ اس گھاٹی کے لئے ہلکا پھلکا رہوں [1]

یعنی جس قدر مال و دولت ہوگا، حساب کتاب بھی لمبا ہوگا، اور اگر مال کم ہوگا تو حساب بھی جلدی سے ہو جائیگا، کیونکہ کم مال کا حساب زیادہ مال کے مقابلہ میں جلد ہو جایا کرتا ہے اس لئے کثیر مال رکھنے والے قیامت کے دن زیادہ پریشان ہوں گے، اور کم مال والے آسانی سے حساب و کتاب سے فارغ ہو جائیں گے۔

رسول خدا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِثْنَتَان يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ، وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ، وَ قِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ (مسند احمد)

ترجمہ:۔ انسان دو چیز کو ناپسند کرتا ہے ایک موت کو حالانکہ موت مومن کے لئے فتنہ سے

(۱) مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۴۴ ـ ۱۲

بہتر ہے، دوسرے قلّتِ مال کو، حالانکہ قلّت مال کی وجہ سے حساب بھی کم ہوگا۔

مال کی کثرت فتنہ وفساد کا ذریعہ

قلّتِ مال کی نسبت کثرت مال فتنہ وفساد کا ذریعہ ہے، مال ودولت کے زعم میں آکر انسان نہ جانے کیا سے کیا کر گزرتا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دولت کے نشے میں بدمست انسان جائز وناجائز حدود تک کو پھلانگ جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

مَا ذِئبَانِ جَائعَانِ أُرسِلَافِي غَنَمٍ بَافسَدَلَهَا مَنْ حِرَص الْمَرْءِ عَلىَ الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِه . (ترمذی جلد۲ص۶۰)

ترجمہ:۔دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں کی ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں، اتنی تباہی نہیں مچاتے جتنا کہ ایک مال کا حریص شخص اپنے دین کو تباہ کر ڈالتا ہے۔

مال کو حدیثِ نبویؐ میں فتنہ وآزمائش قرار دیا گیا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''ہر امت کے لئے کوئی نہ کوئی فتنہ اور آزمائش کی چیز ہوتی ہے، میری امت کا فتنہ وآزمائش مال ہے'' (۱) حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اگر کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود مال ودولت سے نوازتا ہے تو یہ اس درجہ سے نہیں کہ وہ اس بندے کو پسند کرتا ہے، بلکہ یہ بطورِ استدراج ومہلت کے ہوتا ہے، اس بندے کو ڈھیل دی جاتی ہے کہ کہاں تک یہ سرکشی میں آگے بڑھتا ہے، پھر اچانک اس کی پکڑ ہوجاتی ہے اور ایسی سخت پکڑ ہوتی ہے کہ وہ حیران وحسرت زدہ رہ جاتا ہے (۲)

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ جو اپنے سارے ارادوں کو ایک نقطہ میں فکرِ آخرت پر مرتکز کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیادی معاملات میں اس کے لئے کافی ہوجاتا ہے اور فکرِ آخرت سے تو یہ ہٹا کر حصولِ دنیا کی خاطر اپنے ارادوں کو متفرق کر دیتا ہے اللہ کو اس کی کوئی پروانہیں ہے کہ وہ اپنے ارادوں اور مقاصد کی کس وادی میں ہلاک

(۱) ترمذی جلد۲ص۵۷ ۱۲ (۲) مشکوٰۃ جلد۲ص۴۴۳ ۱۲ (۳) مشکوٰۃ جلد۱ص۳۷ ۱۲

ہوگیا؟(۳)

احادیثِ نبویہ میں بالکل وضاحت کے ساتھ آگیا ہے کہ امتِ مسلمہ کے لئے فقر وغربت کے مقابلے میں مال ودولت کی کثرت وفراوانی ہی خطرے اور خوف کی چیز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِنْ بَعْدِیْ مَایُفْتَحُ عَلَیْکُمْ مِنْ زَھْرَۃِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتِھَا (مشکوٰۃ جلد۲ص ۴۳۹)

ترجمہ:۔ان چیزوں میں سے جن سے میں تمہارے متعلق اپنے بعد ڈرتا ہوں ایک یہ ہے کہ تمہارے اوپر دنیا کی زینت اور اس کی رونق کے دروازے کھول دیئے جائیں۔

ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد نبویؐ ہے۔

فَوَاللّٰہِ لَاالْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْھَا کَمَا تَنَافَسُوْھَا وَتُھْلِکَکُمْ کَمَا اَھْلَکَتْھُمْ (مسلم جلد۲ص ۴۰۷)

ترجمہ:۔خدا کی قسم! میں تم پر فقر سے نہیں ڈرتا، لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کردی جائے، جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کردی گئی، پس تم لوگ اسے حاصل کرنے کیلئے مقابلہ بازی کرو جیسے پہلے لوگوں نے کی، پس یہ چیز تمہیں ہلاک کردے جیسے پہلے لوگوں کو کیا۔

بخاری ومسلم کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال ودولت کی کثرت علاماتِ قیامت میں سے ہے۔(مشکوٰۃ جلد۱ص ۱۶۴)

مذکورہ بالا ساری روایتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ اسلام کے نزدیک فقر وغربت اور قلتِ مال کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے، جس کا خوف کیا جائے، خوف وخطر کی چیز صرف کثرتِ مال ہے۔ مال ودولت کی فراوانی اور بہتات آپس میں مقابلہ بازی کی کیفیت کو جنم دیتی ہے، حصولِ دولت کے لئے یہ مقابلہ بازی انسان کو ہلاکت وبربادی کے غار میں پہونچا دیتی ہے، اس مقابلہ بازی کے چکر میں پھنس کر انسان جائز وناجائز راہوں کو بھول جاتا ہے، حلال وحرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے، دن رات بس

یہی فکر سوار رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح دولت میں اضافہ ہو، مال بڑھے۔

دنیا سے بے رغبتی ضروری

مال ودولت کی حرص اور فقر وغربت سے بے چینی و بے زاری اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انسان دنیا میں بے حد انہماک اور دل چسپی رکھنے لگے، اس کے برعکس اگر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جائے، تو نہ مال ودولت کی حرص باقی رہے گی، نہ فقر وغربت پر بے چینی اور اضطراب، زُهد فی الدُّنیا یعنی دنیا سے بے رغبتی اسلام کا مقصود بھی ہے، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔

اِذَارَأَیْتُمُ الْعَبْدَ یُعْطیٰ زُهداً فِي الدُّنْیَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ یُلْقٰی الْحِکْمَةَ . رواه البیهقی (۱)

ترجمہ:۔ جب تم کسی ایسے بندے کو دیکھو جو دنیا سے بے رغبتی رکھے اور کم بولے تو اس سے قربت اختیار کرو، اس لئے کہ اسے حکمت عطا کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نور کسی کے سینے میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ انشراح اور شرح صدر محسوس کرنے لگتا ہے، صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسولؐ! اس کی کوئی علامت بھی ہے، حضور نے فرمایا، ہاں، اور وہ یہ ہے۔

اَلتَّجَافِیْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةِ اِلیٰ دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادِ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ (رواه البیقهی) (۲)

ترجمہ:۔ دھوکے کے گھر (دنیا) سے دوری اور ہمیشگی کے گھر (آخرت) کی طرف رجوع اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا۔

کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّنَفْسَکَ فِیْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ (۳)

---

(۱) مشکوۃ ج ۲ ص ۴۴۶ (۲) حوالہ مذکورہ

(۳) مشکوۃ ج ۲ ص ۴۵۰ بحوالہ بخاری

ترجمہ:۔ دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی اجنبی یا مسافر رہتا ہے، اور اپنے آپ کو اہلِ قبور میں سے شمار کرو،

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا داروں کے ساتھ مجالس وموانست نہ رکھو، بلکہ ان کے درمیان اس طرح رہو جس طرح ایک مسافر یا ایک اجنبی رہتا ہے جو بس اپنے کام سے کام رکھتا ہے، اور لوگوں سے زیادہ تعلقات بڑھانا نہیں چاہتا، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کو اپنا وطنِ اصلی قرار دیکر اپنے ساز وسامان اور دوسروں کے ساتھ مخالطت ومجالست کو زیادہ پھیلا نہ دیا جائے بلکہ مسافر واجنبی کی طرح اپنے آپ کو سمیٹے رکھنا چاہئے۔ اپنے آپ کو اہلِ قبور میں شمار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آخر کار ہر انسان کو مرنا ہے اور مرنے کے بعد اس کے حساب وکتاب کی باری آنی ہے، لہٰذا اس کی تیاری رہنی چاہئے، اہلِ قبور میں سے شمار کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کی فکر غالب رہے گی۔ (۱)

ایک حدیث میں دنیا کو مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت قرار دیا گیا ہے۔ (۲) دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب مؤمن دنیا کو چھوڑتا ہے تو گویا وہ قید خانہ سے رہائی پاجاتا ہے، اور آزادی وخوشحالی کی فضا میں سانس لیتا ہے (۳)

جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہوا، اس نے اپنی آخرت کو تباہ کردیا، رسول خدا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُ وْامَایَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی رواہ احمد (مشکوۃ ج ۲ ص ۴۴۱)

ترجمہ:۔ جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو بگاڑ دیا، اور جس نے اپنی آخرت سے محبت کی اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہونچایا، پس فنا ہوجانے والی چیز (دنیا) پر باقی رہنے والی چیز (آخرت) کو ترجیح دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت سے محبت کے نتیجے میں دنیا کا نقصان

(۱) مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۷۳ ۱۲ (۲) ترمذی جلد ۲ ص ۵۶ ۱۲
(۳) مشکوۃ جلد ۲ ص ۴۴۷ عن عبد اللہ بن عمرو

ہوسکتا ہے، لیکن دنیا کا نقصان ایک عارضی اور غیر مستقل چیز ہے لہٰذا آخرت کی فکر کرو، آخرت کے نقصان سے بچو، اور آخرت کا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ آخرت کا نقصان بھی مستقل و دائمی ہوگا، اور فائدہ بھی دائمی۔

حضرت عائشہؓ سے حضورؐ نے فرمایا۔

''اے عائشہؓ اگر تم قیامت میں مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو تمہارے لئے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے جتنا ایک مسافر کا توشہ ہوتا ہے، اور دولتمندوں کی ہم نشینی سے بچو، اور کسی کپڑے کو پرانا سمجھ کر نہ ڈال دو جب تک کہ اس میں پیوند لگا کر دوبارہ نہ پہن لو۔''

(ترمذی جلد ا ص ۲۱۰)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور اقدس ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ہم لوگ بھی ساتھ تھے، راستہ میں ایک بلند قُبہ دیکھا حضورؐ نے دریافت کیا کہ یہ کس کا ہے؟ صحابۂ کرامؓ نے جواب دیا کہ فلاں انصاری کا ہے، حضورؐ خاموش ہو گئے اور اس وقت ناراضگی کا کوئی اظہار نہیں کیا، اس کے کچھ دنوں کے بعد وہی صحابیؓ جن کا وہ قبہ نما مکان تھا، خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام کیا، حضورؐ نے اعراض کیا، انھوں نے کئی بار سلام کیا مگر حضورؐ اعراض ہی فرماتے رہے، وہ صاحب سمجھ گئے کہ حضورؐ ان سے ناراض ہیں، انھوں نے اپنے ساتھیوں سے حضورؐ کی ناراضگی کی وجہ دریافت کی، ساتھیوں نے جواب دیا کہ اور تو کوئی بات ہم جانتے نہیں، اتنا ضرور ہوا ہے کہ ایک بار حضورؐ تمہارے مکان کے پاس سے گزر رہے تھے اور پوچھا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ ہم لوگوں نے تمہارا نام بتا دیا تھا، اتنا سنتے ہی وہ انصاری صحابیؓ اٹھے اور مکان منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ کچھ دنوں بعد حضورؐ کا دوبارہ اسی طرف سے گزر ہوا۔ اس بار وہ قبہ نما مکان نظر نہیں آیا، حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا کہ یہاں جو مکان بنایا تھا وہ کیا ہوا؟ صحابہؓ کرام نے انصاری صحابیؓ کا پورا واقعہ بیان کر دیا، اور بتا دیا کہ آپؐ کی ناراضگی دیکھ کر انھوں نے وہ مکان منہدم کر دیا، حضور ﷺ نے فرمایا۔

اَمَا اِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ اِلَّا مَالَا يَعْنِىْ اِلَّا مَالَا بُدَّ مِنْهُ .

(ابوداؤد جلد ۲ ص ۳۷۲)

ترجمہ:۔ خبر دار! ہر مکان اس کے بنانے والے کے لئے وبال ہے سوائے اس مکان کے جو بے حد ضروری ہو اور جس کے بغیر کام نہ چل سکے۔

قناعت وتوکل کے فضائل

اللہ نے جو کچھ دیا ہو اس پر صبر کرنے کا نام قناعت، ہے، اور ہر حال میں اللہ ہی پر بھروسہ واعتماد رکھنے کا نام توکل ہے، احادیث میں قناعت وتوکل کے بہت فضائل آئے ہیں، ایک حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب وغریب ہے، اس کا ہر معاملہ خیر کو لئے ہوئے ہیں، حالانکہ یہ اہمیت سوائے مؤمن کے کسی کو حاصل نہیں ہے، مؤمن کو اگر کوئی خوشی پہونچے اور وہ اس پر شکر ادا کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے، اور اگر مصیبت پہونچے اور وہ اس پر صبر وضبط سے کام لے تو یہ بھی اس کے حق میں خیر ہے۔ (۱)

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا. (ترمذی جلد۲ص ۵۷)

ترجمہ:۔ اگر تم لوگ اللہ پر بھروسہ کرو جیسا کہ بھروسہ کرنا چاہئے تو اللہ تم کو ایسا ہی رزق دیگا جس طرح چڑیوں کو دیتا ہے کہ صبح بھوکی پیاسی جاتی ہے اور شام کو بھرے پیٹ لوٹتی ہیں۔

ایک دن رسولِ خدا ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، کہ جب تمہیں کچھ سوال کرنا ہو تو اللہ سے سوال کرو، مدد مانگنا ہو تو اللہ سے مدد مانگو، اور یہ جان لو کہ اگر ساری دنیا تمہیں نفع پہونچانا چاہے مگر خدا نے تمہاری تقدیر میں نہ لکھا ہو تو ساری دنیا بھی مل کر نفع نہیں پہونچا سکتی۔ اسی طرح اگر ساری دنیا مل کر تمہیں نقصان پہونچانا چاہے مگر اللہ نہ چاہے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا، قضا وقدر کے فیصلے ہو چکے ہیں، اب انھیں کوئی بدل نہیں سکتا۔'' (ترمذی)

حدیث میں آتا ہے کہ جو بندہ اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق

(۱) مشکوۃ جلد۲ ص ۴۵۲ بحوالہ مسلم ۱۲

عطا فرماتا ہے کہ بندہ کو اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ (مسند احمد)

قناعت کا جذبہ ''توکل'' کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے، اگر انسان خدا پر بھروسہ کرے، اور یہ یقین کرلے کہ میرا رزق مقدر ہے وہ مجھے مل کے رہیگا، مال و دولت کی جو مقدار میرے لئے لکھی جاچکی ہے وہ بہر حال مجھے ملیگی۔ اس یقین کے نتیجے میں اللہ کے عطاء کردہ مال و دولت اور رزق پر قناعت آسان ہوجاتی ہے، لیکن اگر یہ یقین پورے طور پر نہ پیدا ہو، قناعت کی صفت میں بھی کمزوری رہتی ہے، اللہ کی بخشش و عطاء پر قناعت کرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرلینے کے بعد ضروری ہے کہ انسان خدا پر پورا بھروسہ و توکل کرے اور یہ اچھی طرح سمجھ لے کہ بغیر خدا کے حکم و منشاء کے ایک پتہ بھی نہیں حرکت کرسکتا۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بقدرِ کفاف یعنی بقدرِ حاجت رزق طلب کیا جائے۔ اور تنعم اور عیش پرستی سے بچا جائے۔ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت یہ نصیحت فرمائی تھی۔

اِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَاللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ (۱)

عیش و عشرت کی زندگی سے بچو اسلئے کہ اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔

قلیل رزق پر قناعت کرنے والے کے متعلق ارشادِ نبوی ہے۔

مَنْ رَضِىَ مِنَ اللّٰهِ بَاالیسیر مِنَ الرِّزْقِ رَضِىَ اللّٰهُ مِنْهُ بِالْقَلِيْلِ مِنَ الْعَمَلِ رواه البيهقى (۲)

ترجمہ:۔ جو اللہ سے تھوڑے رزق پر راضی ہوگیا اللہ اس کے تھوڑے عمل سے راضی ہوگیا۔

بندہ مومن کو کتنا مال حاصل کرنا اور رکھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ایک گھر ہونا چاہئے جس میں سکونت اختیار کرسکے، کپڑا ہو جس سے شرمگاہ کی پردہ پوشی کرسکے، پیٹ بھرنے کے لئے روٹی پانی کا انتظام (۳) اس کے علاوہ فاضل مال رکھنا ہو تو ایک خادم اور راہِ خدا میں جہاد کرنے کے لئے ایک سواری ہونی چاہئے (۴)

ایک دوسری حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں۔

مَنْ اَصْبَحَ مِنكُمْ اٰمِنًا فِىْ سَرْبِهٖ مُعَافًى فِىْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا (۵)

(۱) منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد جلد ثالث
(۲) مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۴۹
(۳) ترمذی ج ۲ ص ۵۷
(۴) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۲
(۵) ترمذی ج ۲ ص ۵۸

ترجمہ:۔جس نے امن وامان اور اپنے جسم کی عافیت کے ساتھ اس حال میں صبح کی کہ اسکے پاس اس دن کی خوراک موجود ہے گویا اس نے پوری دنیا حاصل کرلی۔

یعنی دنیا میں اہم چیز امن وامان، جسم کی صحت وعافیت اور پیٹ بھرنے کے لئے خوراک سمجھی جاتی ہے پس جس کے پاس یہ ساری چیزیں موجود ہوں اس کے پاس گویا دنیا کا ہر سامان موجود ہے، اب اسے زیادہ کی فکر نہیں کرنا چاہئے۔

ایک صاحب نے حضورِ اقدس ﷺ کی مجلس میں بہت زور سے ڈکار لی، حضورؐ نے فرمایا ذرا دھیرے ڈکار لو کیونکہ قیامت کے دن بھوک کے اعتبار سے وہی لوگ بڑھے ہوئے ہوں گے جو دنیا میں سیری کے اعتبار سے بڑھے ہوئے ہوں گے (۱)

بقدرِ ضرورت روزی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضورؐ فرماتے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ اللّٰهُ (۲)

ترجمہ:۔''وہ فلاح یاب ہوجو اسلام لایا اور بقدر کفاف رزق دیا گیا اور اللہ نے اسے جو کچھ دیا اس پر اسے قانع بنادیا''۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے خود اپنے لئے بھی بقدرِ کفاف وضرورت رزق کی دعاء فرمائی تھی (۳)

ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم اللہ کے عطا کردہ مال ورزق پر راضی ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو سب سے زیادہ غنی بنادے گا (۴)

ہمارا دنیا میں یہ بھی مشاہدہ ہے کہ بعض حضرات خوب خوب کماتے ہیں، دولت حاصل کرنے میں جان لگادیتے ہیں، مگر ایسا لگتا ہے کہ جوں جوں ان کا مال بڑھ رہا ہے، ان کی ضروریات بھی بڑھتی جارہی ہیں۔کوئی مرحلہ ایسا نہیں آتا جب کہا جائے کہ ان کی ضرورتوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ وہ مستقل کماتا رہتا ہے مگر اسکی محتاجگی نہیں جاتی۔آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کی وجہ انسان کا خدا کی عبادت سے گریز ہے۔حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۲ (۲) ترمذی ج ۲ ص ۵۸
(۳) مسلم جلد اول ص ۳۳۷ (۴) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۰

ان اللّٰہَ یَقُولُ ابنَ آدم! تَفَرَّغ لِعِبَادَتِی اَملَأ صَدرَکَ غِنیً وَاَسُدَّ فَقرَکَ وَاِن لَّا تَفعَل مَلَأتُ یَدَکَ شُغلاً وَلَم اَسُدَّ فَقرَکَ (ابن ماجہ)

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے! اپنے آپ کو میری عبادت کے لئے فارغ کرلے میں تیرے سینہ کو مالداری سے بھردوں گا اور تیرے فقر کو دور کردونگا لیکن اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے ہاتھ کو کاموں سے بھردونگا اور تیرے فقر کو دور نہیں کروں گا۔
یعنی تم ہر وقت کام ہی کرتے نظر آؤ گے مگر ضروریات ہوں گی کہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں گی۔

انسان دنیا میں جو کچھ کماتا ہے اسے اپنا مال قرار دیتا ہے، اسلام کہتا ہے کہ تمہاری کمایا ہوا ہر مال تمہارا مال نہیں ہے بلکہ تمہارا مال بس تین ہی ہوسکتا ہے۔

مَااَکَلَ فَاَفنٰی اَولَبِسَ فَاَبلٰی اَواَعطٰی فَاَقتَنٰی وَمَاسِوٰی ذٰلِکَ فَھُوَ ذَاھِبٌ وَتَارِکُہٗ لِلنَّاسِ (۱)

ترجمہ:۔جو کھایا پس فنا کردیا۔ جو پہنا پس پرانا کردیا جو اللہ کی راہ میں دیا اور ذخیرہ کردیا اسکے علاوہ جو مال ہے اسے وہ لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

اللہ نے جو کچھ دے رکھا ہو اس پر قناعت اختیار کرنے میں ہی انسان کی فلاح وبہبود ہے۔ جو انسان راضی بہ تقدیر ہوکر خدا کے عطا کردہ رزق پر قناعت کرتا ہے اور اصل مقصود طلبِ آخرت کو بناتا ہے۔ آخرت بھی اسے ملتی ہے اور دنیا بھی ذلیل وحقیر ہوکر اس کے قدموں میں ڈھیر ہوجاتی ہے۔ اور جو کوئی طلبِ دنیا کو ہی مقصدِ اصلی قرار دیتا ہے اس کا فقر اور اسکی محتاجگی کبھی دور نہیں ہوتی وہ کمانے کی فکر میں سرگرداں اور پریشان نظر آتا ہے۔ مگر اسے ملتا وہی ہے جو اس کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے (۲)

ایک صحابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور دنیا کے لوگ بھی مجھ سے محبت رکھیں حضور ﷺ نے فرمایا۔

اُزھُد فِي الدُّنیَا یُحِبَّکَ اللّٰہُ وَازھُد فِیمَا عِندَالنَّاسِ یُحِبَّکَ النَّاسُ (۳)

(۱) مسلم شریف ج ۲ ص ۴۰۷ (۲) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۴
(۳) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۲

ترجمہ:۔ دنیا میں رغبت مت رکھو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور لوگوں کے پاس جو چیزیں ہوں ان میں رغبت مت رکھو۔ لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

جو لوگ دوسروں کو دیکھ کر انھیں کی طرح خود بھی دولتمند بننے کی خواہش رکھتے ہیں، خود بھی اسی طرح تنعم کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں وہ قناعت کی صفت سے کوسوں دور ہیں، قناعت کا مطلب ہی یہی ہے کہ جو کچھ خدا کی طرف سے ملا ہے اسی پر صبر وشکر ادا کیا جائے دوسروں کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا جائے۔ دوسروں کی طرف دیکھنے سے مقابلہ بازی کا جذبہ پیدا ہوگا اور ظاہر ہے کہ مقابلہ بازی کا جذبہ انسان کو مقبول نہیں بنا سکتا۔ مقبولیت حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ دوسروں کیطرف نظر نہ اٹھائی جائے، لوگوں کے مال ودولت میں رغبت نہ رکھی جائے۔

فقراء کے فضائل ومناقب

بقدرِ کفاف روزی حاصل کرنے کی کوشش اور اللہ نے جو کچھ دیا ہو اس پر قناعت، یہ دونوں اوصاف فقراء کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس قسم کے فقراء کے لئے احادیثِ نبویہ میں بڑے فضائل آئے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں داخل ہونے والے عام طور سے فقراء ہی ہوں گے۔ (۱) حضرت سعدؓ نے ایک بار محسوس کیا کہ چونکہ وہ سخی ہیں اور راہِ خدا میں خرچ کرتے رہتے ہیں اس لئے انھیں فقراء میں سے فلاں شخص پر فضیلت حاصل ہے، اس پر حضورؐ نے فرمایا۔

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ الا بِضُعَفَاءِ كُمْ (۲)

تمھیں جو رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری جو مدد کیجاتی ہے وہ تمہارے ضعفاء ہی کیوجہ سے ہے۔

حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار ایک مالدار آدمی حضور ﷺ کے پاس سے گزرا، اسکے جانے کے بعد حضورؐ نے ایک شخص سے جو حضورؐ کے پاس تھا فرمایا

(۱) بخاری ج ۲ ص ۹۵۵ (۲) مشکوۃ ج ۲ ص ۴۴۶

کہ اس شخص کے بارے میں جو ابھی گزرا تمہارا کیا خیال ہے؟ اس شخص نے جواب دیا حضورؐ! یہ شرفاء میں سے ہے۔ خدا کی قسم یہ ایسا آدمی ہے کہ اگر کسی کے پاس نکاح کا پیغام بھیجے تو فوراً قبول کیا جائے گا، اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش مان لی جائے گی، راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضورؐ خاموش رہے، اتنے میں ایک دوسرا شخص جو غریب و بدحال تھا، گزرا۔ حضورؐ نے اس آدمی سے کہا کہ یہ بتاؤ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا حضورؐ! یہ فقراءِ مسلمین میں سے ہے۔ اپنی بدحالی اور فقر کی وجہ سے اگر کسی کے پاس نکاح کا پیغام بھیجے تو پیغام واپس ہو جائیگا، اگر کسی کی سفارش کرے تو سفارش قبول نہ ہوگی، اگر کوئی بات کہے گا تو اس کی شنوائی نہ ہوگی۔ حضورؐ نے فرمایا یہ غریب مسلمان اس مالدار آدمی جیسے تعداد میں زمین کی وسعت کے برابر آدمی ہوں ان سب سے کہیں بہتر ہے (۱)

اس سے ملتی ایک دوسری حدیث بھی ہے کہ درہم دینار کے بندے گھاٹے اور خسارے میں ہیں کہ اگر انہیں ملتا ہے تو خوش ہوتے ہیں، لیکن اگر انہیں ملتا تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ سب سے اچھے خدا کے وہ بندے ہیں جو ہر دم گھوڑے کی لگام پکڑے جہاد میں جانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ پراگندہ حال پراگندہ بال، ان کے قدم غبار آلود ہوتے ہیں، اگر انھیں کسی جگہ نگرانی اور نگہبانی پر رکھا جائے تو نگہبانی کرتے رہتے ہیں اور اگر کہیں چلنے کا حکم دیا جائے تو فوراً چل پڑتے ہیں۔ بظاہر دنیاوی اعتبار سے اتنے کم درجہ ہوتے ہیں کہ اگر کسی کی سفارش کریں تو قبول نہ ہو، اگر کسی کام کی اجازت مانگیں تو اجازت نہ ملے۔ (۲)

یعنی اگر چہ دنیاوی اعتبار سے وہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں مگر خدا کے یہاں ان کا بڑا درجہ ہوتا ہے ان کے بلندیٔ درجہ کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ہزاروں دولتمند بھی ان کی برابری نہیں کر سکتے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) بخاری ج ۲ ص ۹۰۰ (۲) مشکوۃ ج ۲ ص ۴۳۹

اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ! اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ اِنَّ الْبَذاذة من الایمان.
(ابوداؤد)

ترجمہ:۔ کیا تم لوگ سنتے نہیں، کیا تم لوگ سنتے نہیں۔ بلاشبہ ترکِ زینت ایمان میں سے ہے بلاشبہ ترکِ زینت ایمان میں سے ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ملبوسات میں تواضع اختیار کرنا اور فائق لباس سے بچنا اہلِ ایمان کے اخلاق میں سے ہے۔ گویا اس حدیث میں فقر کو اختیار کرنے کی تلقین کی جاری ہے۔(۱)

فقر و غربت ،دولت کے مقابلے میں زیادہ راحت وسکون کی چیز ہے۔ مال و دولت کے چکر میں آ کر انسان خدا کی عبادت کیلئے وقت بہت کم نکال پاتا ہے جبکہ فقراء اس کام کے لئے بفراغت وقت رکھتے ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ مسجدِ نبویؐ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں مصعب بن عمیرؓ آ گئے۔ ایک چادر اوڑھے ہوئے جس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ حضورؐ نے جب انھیں اس غربت کے حال میں دیکھا تو رونے لگے کہ مصعبؓ پہلے کتنے آرام و راحت اور مال و دولت کی فراوانی میں رہتے تھے اور اب بے چارے کس تنگی سے گزر بسر کر رہے ہیں۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تمہاری دولتمندی کا یہ حال ہوگا ایک آدمی صبح دوسرا لباس پہنے گا اور شام کو دوسرا،تمہارے سامنے کھانے کا ایک برتن رکھا جائیگا اور دوسرا اٹھایا جائے گا، تم لوگ اپنے گھروں میں ویسے ہی پردہ لگاؤ گے جیسے کعبہ پر لٹکا رہتا ہے'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! اس وقت ہم لوگ خوب عبادت کے لئے فارغ رہا کریں گے اور ذرا سی محنت ہمارے لئے کافی ہو جایا کرے گی۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں، آج تم اس غربت کے عالم میں اس آسودگی کی زندگی سے بہتر ہو۔(۲)

(۱) مرقاۃ المفاتیح ج چہارم (۲) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۹

فقراء اور غرباء اگر چہ دنیاوی اعتبار سے کم حیثیت نظر آتے ہیں مگر اللہ کے یہاں ان کا کیا مقام ہوتا ہے۔اس کے متعلق حضورﷺ فرماتے ہیں۔

رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ (۱)

بہت سے پراگندہ بال والے، جن پر دنیا کے سارے دروازے بند ہوتے ہیں، خدا کے یہاں انکا یہ مقام ہوتا ہے کہ اگر وہ قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا کہ فقرائے مہاجرین اغنیاء سے چالیس سال قبل جنت میں جائیں گے (۲)

فقراء اور غرباء کے لئے سب سے زیادہ اہمیت اور فضیلت کی چیز یہ ہے کہ حضورِ اقدسﷺ نے خود کو فقراء میں شامل کرنے، فقراء کیساتھ حشر میں اٹھائے جانے کی دعاء فرمائی ہے، حضورؐ نے فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مسكينا واحشرني في زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ اِنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَائِهِمْ بِاَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا يَا عائشَةُ لَا تَرُدِّی الْمَسَاكِيْنَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، يَا عائشَةُ احِبِّی الْمَسَاكِيْنَ وَقَرِّبِيْهِمْ فَاِنَّ اللّٰهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۳)

ترجمہ:۔اے اللہ! مجھے مسکین کی حالت میں زندہ رکھ اور مجھے مسکینی کی ہی حالت میں موت دے، اور مجھے قیامت کے دن ان مسکینوں کے گروہ میں اٹھا، یہ دعاء سنکر حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔اے اللہ کے رسولؐ! آپ یہ دعاء کیوں کر رہے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا اسلئے کہ فقراء و مساکین اغنیاء سے چالیس سال قبل جنت میں جائیں گے۔اور اے عائشہؓ کبھی کسی مسکین کو دروازے سے واپس نہ کرنا، کچھ نہ کچھ ضرور دینا خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی، اور اے عائشہ! مسکینوں سے محبت رکھو اور ان سے قربت اختیار کرو۔اگر تم ایسا کروگی تو قیامت کے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا قریبی بنالیگا۔

ایک دوسری حدیث میں رسول خداﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَاءِ كُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَاءِ كُمْ (۴)

---

(۱) مسلم ج۲ص ۳۲۹ (۲) مسلم ج۱ص ۴۱۰ ۱۲ (۳) ترمذی ج۲ص ۵۸ ۱۲
(۴) مشکوٰۃ ج۲ باب فضل الفقراء

ترجمہ:۔ مجھے اپنے ضعفاء میں تلاش کرو۔ اسلئے کہ تمہارا رزق اور تمہاری مدد تمہارے ضعفاء ہی کیوجہ سے ہوتی ہے۔

یعنی میری رضا مندی اور خوشی چاہتے ہو تو اپنے غرباء و مساکین کی تالیفِ قلب کرتے رہو، ان کا خیال رکھا کرو۔ اسی میں میری رضاء و خوشی ہے (۱)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے مساکین سے محبت کرنے اور انکی قربت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۹)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فقرائے مہاجرین کا واسطہ دے کر اللہ سے مدد مانگا کرتے تھے (۲)

صحابی حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا "اے اللہ کے رسولؐ! میں آپؐ سے محبت کرتا ہوں حضورؐ نے فرمایا، سوچ لو کیا کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا" خدا کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں ..یہی جملہ تین بار دہرایا۔ حضورؐ نے فرمایا۔

اِنْ کُنتَ صَادِقًا فَاعِدَّ لِلْفَقْرِ تَخْفَافًا لِلْفَقْرِ اَسْرَعُ اِلیٰ مَنْ یُحِبُّنِیْ مِنَ السَّیل اِلیٰ مُنْتَهَاهُ (۳)

ترجمہ:۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر و تنگدستی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہو کیونکہ فقر اس شخص کیطرف جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس سے بھی زیادہ تیز بڑھتا ہے جس طرح سیلاب ڈھلوان زمین کی طرف۔۔

مومن کے لئے فقر و غربت اس بات کی علامت ہے کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح استسقاء کے مریض کو پانی سے بچایا جاتا ہے۔ (۴)

فقر و غنا میں افضلیت کی بحث

علمائے کرام اور صوفیائے عظام دونوں طبقوں میں ایک اہم بحث یہ پائی جاتی ہے

(۱) اشعۃ اللمعات جلد چہارم (۲) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۷ (۳) ترمذی ج ۲ ص ۵۸
(۴) منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد جلد سوم

کہ دولت وغربت اور فقر وغناء دونوں میں افضلیت کسے حاصل ہے؟ بقول حضرت شیخ مخدوم علی ہجویریؒ اس میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض حضرات فقر وغربت کو افضل قرار دیتے ہیں اور بعض دولت مندی اور غناء کو (۱)

جولوگ دولتمندی اور مال داری کوفقر وغربت کے مقابلے میں افضل قرار دیتے ہیں ان میں یحیٰ بن معاذ رازیؒ، احمد بن الخوازمی، حارث محاسبی، ابوالعباس بن عطارؒ، رویم بن محمدؒ، ابوالحسن بن شمعونؒ، ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہینیؒ کے نام سرِ فہرست ہیں، ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ غنا صفتِ الٰہی ہے اور فقر کا اطلاق اس کی ذات پر جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو، ایسی صفت کے مقابلے میں جس کا اطلاق ذاتِ خداوندی پر جائز نہ ہو، فضیلت رکھتی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ دولتمندی اور تونگری انسان پر خدا کا ایک زبردست احسان وانعام ہے، اور اس پر خدا نے شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے اس کے برعکس فقر وتنگدستی پر صبر ادا کرنے کا حکم ہے، صبر مصیبت پر ہوتا ہے اس لحاظ سے دولتمندی کوفقر پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ تونگری میں شکر ہے اور شکر نعمت پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نعمت ومصیبت دونوں میں سے نعمت کوفضیلت حاصل ہے۔

یہ تو رہی ان لوگوں کی بات جو غناء کو افضل قرار دیتے ہیں جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو فقر کو غنا پر فضیلت دیتے ہیں ان میں سے ایک حضرت شیخ مخدوم علی ہجویریؒ بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اکثر علماء ومشائخ غناء پر فقر کو فضیلت دیتے ہیں۔ حضرت شیخ ہجویریؒ ان دلائل کا جواب دیتے ہوئے جو فریق ثانی نے پیش کئے ہیں فرماتے ہیں کہ خدا کے غنی ہونے اور بندے کے غنی ہونے میں کوئی "قدرِ مشترک" نہیں ہے خدا کا غنا بالذات ہے اور کاملیت وجامعیت کا حامل، اور انسانوں کا غناء بالعرض ہے اور ناقص وناتمام، جہاں تک خدا کے غنی ہونے کا تعلق ہے اس اعتبار سے کسی بندے کوغنی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ سارے انسان فقیر ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللّٰهِ واللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ہ (فاطر ۱۵)

(۱) بیان المطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب ص ۴۲ ۱۲

ترجمہ:۔اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو۔اور اللہ بے نیاز اور ساری تعریف والا ہے۔
دوسری جگہ ارشاد ہے۔
وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (سورہ محمد۔۳۸)
''اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ غناء کا اطلاق بندوں پر مجازی اور خدا پر حقیقی ہے دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ نعمت پر شکر ادا کرنے کو اضافۂ نعمت و زیادتیِ انعام کا سبب بتایا گیا ہے۔ارشادِ باری ہے۔
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم۔۷)
ترجمہ:۔تم اگر شکر ادا کرو گے تو میں (نعمت) اور زیادہ دوں گا۔
اور فقر و مصائب پر صبر کو قربِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے،ارشاد ہوتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ (بقرہ۔۱۵۳)
بے شک اللہ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے۔

ظاہر ہے کہ قرب الٰہی کو زیادتیِ نعمت کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے ابوالقاسم قشیریؒ فقر و غنا کے متعلق اپنا نقطہ نظر یوں بیان کرتے ہیں لوگوں نے فقر و غناء کے بارے میں کلام کیا ہے ہر ایک نے اپنے لئے ایک بات اختیار کر لی ہے۔لیکن میں اس بات کو اختیار کرتا ہوں جس کو خدا تعالیٰ میرے لئے پسند فرمائے اور مجھے اس میں محفوظ رکھے۔اگر وہ مجھے دولتمند کر دے تو غافل نہ رہوں۔اور اگر درویش بنادے تو حریص نہ رہوں۔پس غنا نعمت ہے اور اس میں غفلت آفت ہے اور فقر نعمت ہے اور اس میں کفر و حرص ہلاکت ہے (۱)

امام غزالیؒ نے بھی ''احیاء العلوم'' میں اس موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے،ان کے نزدیک مطلقاً نہ فقر افضل ہے اور نہ ہی غناء و دولتمندی ،انھوں نے ان دونوں کی کئی قسمیں کی ہیں اور ہر ایک کا الگ حکم بیان کیا ہے (۲)

شیخ مخدوم علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ غنا ہو یا فقر، ہر ایک میں اصل مقصد راہِ راست

(۱) بیان المطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب ص ۴۶ (۲) احیاء علوم الدین جلد چہارم

پر قائم رہنا اور رضائے الٰہی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

''پس حقیقت میں فقرِ سلیمان علیہ السّلام ،غنائے سلیمان علیہ السّلام کی طرح ہے۔ اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کے لئے انکے سخت صبر کی بدولت فرمایا۔

نِعْمَ الْعَبْدُ.

(وہ بہت ہی اچھا بندہ ہے)

اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے لئے بھی ان کی حکومت کے راستی پر ہونے کے متعلق فرمایا۔

نِعْمَ الْعَبْدُ.

(وہ بہت ہی اچھا بندہ ہے)۔

پس جب رضائے الٰہی ہوگئی تو ان کے فقر کو ان کے غنا کے مانند کردیا (۱)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''غنا کثرتِ سامان اور فقر قلّتِ سامان کا نام نہیں اس لئے کہ سامانِ دنیا سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے جب طالبِ حق ملک کو ترک کردے اور یہ جان لے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، تو شرکت درمیان سے اٹھ گئی۔ اور طالب دونوں ناموں سے فارغ ہوا'' (۲)

فقر و غنا کے درمیان افضیلت کے متعلق اب تک کی بحث مشائخ ،صوفیائے کرام کے اقوال کی روشنی میں تھی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ نہ ہی فقر مطلقاً افضل ہے اور نہ ہی غنا مطلقاً فضیلت رکھتا ہے۔ اس ساری بحث میں یہی بات زیادہ قرینِ صواب ہے۔ حدیث نبوی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فقرائے مہاجرین حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اصحابِ ثروت و دولت نے بلندیٔ

(۱) بیان المطلوب ص ۴۶ ۱۲

(۲) کتاب مذکورہ ص ۴۷

درجات کے اعتبار سے بازی مار لی ہے حضورؐ نے فرمایا وہ کیسے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ کچھ نیکیاں ایسی ہیں جن میں ہم اور وہ برابر ہیں مثلاً نماز ہم بھی پڑھتے ہیں، وہ بھی پڑھتے ہیں، روزہ ہم بھی رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں۔ مگر کچھ نیکیاں ایسی ہیں جنھیں صرف وہی کرتے ہیں، ہم اپنے فقر کی وجہ سے نہیں کر پاتے، مثلاً وہ لوگ صدقہ وخیرات کرتے ہیں، ہم نہیں کرتے، وہ لوگ غلاموں کو آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کرتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی بات بتا دیتا ہوں کہ اگر تم اسے کرو گے تو بلندئ درجہ میں کوئی تم سے بڑھ نہ سکے گا الاّ یہ کہ وہ بھی تمہاری ہی طرح میرے بتائے ہوئے پر عمل کرنے لگے۔ دیکھو! تم لوگ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰه ، ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۴ بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ فقرائے مہاجرین خوش خوش واپس چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب صحابہ کرامؓ میں سے دولت مند حضرات کو اسکی خبر ہوئی تو انھوں نے بھی اسے ہر نماز کے بعد پڑھنا شروع کر دیا، فقراء مہاجرین یہ دیکھکر پھر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ سَمِعَ اخوانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ (ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی ہمارے اس عمل کو سن لیا پس وہ بھی وہی کرنے لگے جو ہم لوگ کرتے ہیں) اس پر حضور ﷺ نے فرمایا بھئی! یہ تو اللہ کا فضل ہے، اللہ اپنے فضل سے جسے چاہے نوازے (دولت مندوں کو اس سے روکا تھوڑی جا سکتا ہے) (۱)

صاحبِؒ لمعات حدیث کے آخری ٹکڑے۔ ''یہ تو اللہ کا فضل ہے، اللہ اپنے فضل سے جسے چاہے نوازے'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ فقیر اور غنی جب دونوں اعمال کے اعتبار سے برابر ہوں تو غنی فقیر سے افضل ہے۔ ہاں البتہ اس حدیث سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والا فقیر، راہِ خدا میں خرچ کرنے والے مالدار سے افضل ہے، لیکن اگر راہ خدا میں خرچ کرنے والا مالدار بھی فقیر کی طرح ذکر اللہ میں مشغول رہے تو اس صورت میں بلا شبہ دولتمند فقیر پر فضیلت رکھے گا (۲)

زیرِ بحث حدیث نبوی اور اس کی تشریح سے یہ بات صاف ہوگئی کہ فقر اور غنا میں

(۱) مسلم ج۱ ص۲۱۹ ۱۲ (۲) لمعات ج۳ ص۲۱۵.

کون سی چیز کب افضل قرار پائے گی؟ لیکن اس کے باوجود دو فضیلتیں ایسی ہیں جو فقراء کو حاصل ہیں مگر اغنیاء کو حاصل نہیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے لئے فقر کو پسند فرمایا، دوسرے یہ کہ فقراء اغنیاء کے مقابلہ میں چالیس پہلے جنت میں جائیں گے۔ اس قسم کی کئی حدیثیں فقراء کے فضائل کے تحت گذر چکی ہے۔

ایک بات یہاں یہ یاد رکھنے کی ہے کہ جہاں کہیں بھی فقراء کی فضیلت بیان کی گئی ہے، ان سے مراد وہ فقراء ہیں جو صابر وشاکر ہوں، جائز وناجائز کا خیال رکھتے ہوں۔ خدا ورسول کے احکام وتعلیمات پر چلتے ہوں۔ جزع فزع اور گھبراہٹ نہ ظاہر کریں۔ ورنہ جن کے اندر یہ اوصاف نہ پائے جائیں وہ بحث سے خارج ہیں۔

اسی طرح وہ فقراء بھی بحث سے خارج ہیں جو جاہ پرستی اور حرص میں مبتلا ہوں۔ دولتمندوں اور احکام کی خوشامد وچاپلوسی میں لگے رہتے ہوں۔ حُبِّ دنیا اور حُبِّ جاہ واقتدار ان کا مطمعِ نظر بن چکا ہو، خدا اور رسول کے احکام سے نہ کوئی غرض رکھتے ہوں نہ مطلب، حصولِ زر کے لئے فقیری اور محتاجگی کا ڈھونگ رچا رکھا ہو۔ گھر پر مال ودولت کا انبار لگا ہو مگر پھر بھی مال جمع کرنے کی حرص میں بھیک مانگتے پھرتے ہوں۔

حضورؐ کے گھر کا حال

رسولِ خدا ﷺ جو محسنِ انسانیت اور سارے عالم کے سردار ہیں۔ اگر وہ چاہتے تو ان کے گھر میں مال ودولت کا انبار لگ جاتا ہر طرح کے عیش وآرام کی چیزیں مہیا ہوجاتیں۔ شاندار محل تعمیر کراتے، کھیتی باڑی، تجارت، جانور، مویشی، خدام ونوکر چاکر، غلام باندی، دولت کی کون سی ایسی شکل تھی جو نہ حاصل ہوجاتی۔ لیکن اس کے باوجود حضورؐ نے فقر وفاقہ کو ترجیح دی۔ عسرت اور تنگدستی کی زندگی کو امیرانہ ٹھاٹ باٹ اور جاہ وحشم کی زندگی پر فوقیت دی، کئی کئی دن ہوجاتے گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا۔ پیٹ پر تین تین پتھر بندھے ہوئے ہوتے، کئی روز تک چولہا جلنے کی نوبت تک نہ آتی۔ گھر میں بس اللہ کا نام باقی ہے۔ کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ اللہ اللہ یہ شان، یہ

مرتبہ! اور اگر چاہیں تو ساری دنیا کی دولت قدموں میں ڈھیر ہو جائے، مگر قناعت واستغناء کا یہ عالم کہ کھجوروں پر گزر ہو رہی ہے، جو کی روٹی کھائی جارہی ہے۔ یہ سب بھی نہیں تو پانی پر گزران ہو رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بھوکا شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ نے اس کے کھانے کا انتظام کرنے کیلئے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے پاس اطلاع بھیجی۔ سب کے پاس سے یہی جواب آیا کہ

وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِیْ اِلَّا مَاءٌ (۱)

ترجمہ:۔اس ذات کی قسم! جس نے آپکو حق کیساتھ مبعوث کیا ہے ہمارے پاس سوائے پانی کے کچھ نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ (۲)

ترجمہ۔''محمد رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کو کبھی بھی لگاتار دودنوں جو کی روٹی بھی کھانے کو نہیں ملی۔ یہاں تک کہ حضورؐ دنیا سے پردہ فرما گئے''

ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے آگے بھنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی، وہ اسے کھا رہے تھے ان لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی کھانے کے لئے بلایا حضرت ابو ہریرہؓ نے کھانے سے انکار فرمایا اور فرمایا۔

خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ مِنَ الدُّنْیَا وَلَمْ یَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ (۳)

ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ دنیا سے چلے گئے اور کبھی بھی جو کی روٹی تک پیٹ بھر نہیں کھائی (پھر بھلا میں اتنا لذیذ کھانا کیسے کھالوں)۔

حضرت عمر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

---

(۱) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۰ رواہ البخاری (۲) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۶ رواہ البخاری۔
(۳) مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۴۶ رواہ البخاری

میں نے دیکھا کہ حضورؐ ایک چٹائی پر بغیر بستر کے لیٹے ہوئے ہیں اور چٹائی کے نشانات جسم اطہرؐ پر پڑ گئے ہیں۔ سرہانے چمڑے کا ایک تکیہ ہے جس میں روئی کے بجائے کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ حضورﷺ کو اس حال میں دیکھ کر میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! اپنی امت کے لئے اللہ سے دعاء کریں کہ فراخی عطا فرمائے۔ اس لئے کہ فارس وروم والوں کو مال ودولت کے اعتبار سے خوب فراخی حاصل ہے، حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے، یہ سنکر حضورؐ اقدس ﷺ نے فرمایا۔

اَمَا تَرْضىٰ اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَاالْاٰخِرَةُ (بخاری)

''اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ انھیں دنیا ملے اور ہمیں آخرت۔''

یعنی اگر ہمیں دنیاوی مال ودولت اور ساز وسامان میں سے کچھ بھی نہ ملے اور آخرت ہماری سدھر جائے تو بس یہی ہمارا مقصد ہے اسی میں ہماری کامیابی ہے۔ دوسری طرف اہلِ دنیا، ساری دنیا حاصل کرلیں لیکن ان کا آخرت کا معاملہ بگڑا ہوا ہے تو یہ سراسر گھاٹا اور نقصان ہے۔ ہمیں اس بات پر راضی رہنا چاہئے کہ ہماری آخرت سدھر جائے۔ اس میں کوئی بگاڑ نہ آنے پائے۔ چاہے دنیا بگڑ جائے، ہمیں اہلِ دنیا پر مال ودولت کی وسعت وفراوانی کو دیکھ کر فکر مند بھی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اہلِ دنیا کے لئے یہ سارا عیش وآرام راحت وآسائش عارضی ہے اور خسارہ آخرت میں انھیں مستقل اٹھانا ہے۔ جبکہ ہمارے لئے فقر وفاقہ اور مصائب وآلام کی زندگی عارضی ہے اور آخرت کی دائمی زندگی میں ہمارا فائدہ اور آرام بھی دائمی ہے، اس لئے بندۂ مومن کو دنیا کی عارضی زندگی کے عارضی مصائب وآلام کی فکر نہیں کرنی چاہئے، بلکہ آخرت کی ہمیشگی کی زندگی کے ہمیشگی کے آرام کی فکر اور تیاری کرتے رہنا چاہئے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس حدیث میں فلاح وخسران کا یہی معیار حضرت عمرؓ کے سامنے پیش فرمایا ہے۔ اس معیار پر ہر مسلمان کو اپنی زندگی کو جانچنی چاہئے (۱)

(۱) ایک حدیث میں ہے کہ کسی فاسق وفاجر کے مال ودولت پر رشک نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اسے کیا ملنا ہے۔ سن لو کہ مرنے کے بعد اسے جہنم میں جانا ہے، مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۴۷ عن ابی ھریرہ۔ حاشیہ ہذا۔

آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی فلاح وخسران کے اسی معیار وکسوٹی کا نمونہ تھی۔

حضرت انسؓ جو کہ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں دس سال تک رہے، حضورؐ کی خدمت کرتے کرتے بچے سے بڑے ہوئے، بچپن میں گھر میں آنے جانے کی وجہ سے حضور ﷺ کے گھریلو حالات سے بہت واقفیت رکھتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کوئی شام ایسی نہیں گزری کہ حضورؐ کی ازدواج مطہراتؓ کے پاس ایک صاع (ایک قسم کا پیمانہ) بھی گیہوں یا کوئی اوراناج ہوتا۔ حالانکہ بیک وقت ازدواجؓ کی تعداد نوتھی (۱)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کے راستے میں جتنا ڈرایا گیا کسی کونہیں ڈرایا گیا۔ مجھے اللہ کے راستے میں جتنی ایذاء دی گئی کسی کونہیں دی گئی۔ مجھ پرتیس دن اورتیس راتیں ایسی بھی آئی ہیں جب میرے پاس اور بلالؓ کے پاس کوئی ایسا کھانا موجود نہیں تھا جسے کوئی جاندار کھاسکے۔ سوائے اس تھوڑے سے کھانے کے جو بلال اپنی بغل میں چھپا کر لے آتے تھے (۲)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگوں نے حضور ﷺ سے بھوک کی شکایت کی، اوراپنے کرتے اٹھا کر دکھائے کہ ایک ایک پتھر بندھا ہوا ہے، تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا کرتا اٹھا کر دکھایا، ہم لوگوں نے دیکھا کہ حضورؐ کے شکم مبارک پر دو، دو پتھر بندھے ہوئے ہیں (۳)

بھوک کی حالت میں پیٹ پر پتھر اس لئے باندھے جاتے تھے تاکہ پیٹ کے خالی ہونے کی وجہ سے جو ضعف ونقاہت پیدا ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں پیٹھ میں جھکاؤ پیدا ہوجاتا ہے، اسی جھکاؤ کو دور کرنے کے توازن برقرار رکھنے کی کوشش کیجائے (۴) ایک پتھر بندھا ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ فاقہ کی مدّت کم ہے اور ضعف ونقاہت بھی اسی حساب سے کم ہے، دو پتھر بندھے ہونا اس بات کی علامت تھی کہ ایک پتھر والوں کے بہ نسبت فاقہ زیادہ وقت سے ہے اوراسی اعتبار سے ضعف ونقاہت بھی زیادہ ہے۔ گویا حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو بتایا کہ تم مجھ سے بھوک کی کیا شکایت کرتے ہو، دیکھو! میں خود تم سے زیادہ وقت سے فاقہ سے ہوں اور یہ پیٹ پر دو دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔

حضرت قتادہؓ اور حضرت انسؓ دونوں فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے کبھی بھی چپاتی نہیں کھائی (۵) ایک دوسری حدیث میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میرے علم و دانست

(۱) مشکوۃ ج ۲ ص ۴۴۷ (۲) مشکوۃ ج ۲ ص ۴۴۸ (۳) ترمذی ج ۲ ص ۶۰
(۴) مرقاۃ مفاتیح جلد چہارم (۵) بخاری ج ۲ ص ۸۱۵

کے مطابق حضور ﷺ نے کبھی چپاتی اور بھنی ہوئی بکری دیکھی تک نہیں (۱) حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جس وقت مبعوث کئے گئے اس وقت سے لیکر وفات تک میدہ دیکھا نہیں، اسی طرح چھنا ہوا آٹا بھی نہیں دیکھا، حضرت سہلؓ نے جب یہ بات بیان کی تو مجلس میں موجود ایک شخص نے کہا کہ پھر آپ لوگ بے چھنے ہوئے جو کے آٹے کی روٹی کیسے کھاتے تھے، انھوں نے جواب دیا۔ پہلے ہم جو کو پسوا لیتے، اسکے بعد اس پر پھونک مار کر اس کی بھوسی وغیرہ اڑانے کی کوشش کرتے۔ جتنی اڑ جاتی اڑ جاتی۔ باقی گوندھ کر روٹی پکا کر کھا لیتے (۲)

غور کرنے کا مقام ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کس طرح افلاس وغربت میں زندگی بسر کرتے تھے، وہ مرغن و مجرب کھانے، وہ لذیذ اور ذائقہ دار چیزیں جنھیں آج عام رواج حاصل ہے۔ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے ان کی صورت تک نہ دیکھی تھی کھانا تو درکنار۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ ایسے ایسے حالات بھی آئے کہ ہمارے گھر میں آگ تک نہیں جلتی تھی۔ ہمارے کھانے کے لئے کھجور و پانی ہوتا یا پھر ''لحیم'' (ایک قسم کا معجون) (۳) دوسری حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آلِ محمدؐ نے دو دن بھی اکیلے گیہوں ں کی روٹی پیٹ بھر نہیں کھائی بلکہ ایسا ہوتا کہ کچھ روٹی بلکہ کچھ کھجور دونوں ملا کر کھاتے تب کام بنتا (۴) حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کھجور اور پانی سے ہی ہمارا پیٹ بھر گیا ہوتا (۵)

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! ایسا نہیں ہے کہ آج تم لوگ جو چاہتے ہو کھاتے ہو اور جو چاہتے ہو، پیتے ہو، حالانکہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو دیکھا ہے کہ ردی اور خراب کھجور بھی پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتی تھی (۶)

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۹۵۶ — (۲) بخاری ج ۲ ص ۸۱۵

(۳) بخاری ج ۲ ص ۹۵۶ — (۴) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۶۵

(۵) حوالہ مذکورہ — (۶) حوالہ مذکورہ

حضور اکرم ﷺ سرکہ کو بھی بہترین سالن قرار دیتے تھے (۱) کھانا کیسا ہی ہوا سے کبھی بھی عیب نہیں لگایا۔ اگر کھانا ہوا تو کھالیا، نہ کھانا ہوا تو چھوڑ دیا (۲)

نبی کریم ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھالیں بھری ہوئی تھی (۳) اسی طرح حضورؐ کا تکیہ بھی اسی قسم کا تھا (۴) ایک بار حضرت عائشہؓ نے حاضرین کو ایک پیوند لگا کپڑا اور ایک موٹے کپڑے کی چادر دکھائی اور فرمایا کہ حضور ﷺ وفات کے وقت یہی کپڑے پہنے ہوئے تھے (۵)

حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی میں فقر وغربت کی جو مثالیں نظر آتی ہیں وہ بے حد متاثر کن اور سبق آموز ہیں۔ اس میں ہر مسلمان کے لئے درس چھپا ہوا ہے کہ حضور کی امت ہونے کی حیثیت سے ہمیں بھی فقر وفاقہ اور تنگدستی سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ صبر وشکر کا جذبہ بیدار رکھنا چاہئے۔

رسولِ خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بن جاؤں بلکہ میری جانب جو وحی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِينَ ه واعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِينُ ه (سورہ حجر، آخری آیات) (۶)

ترجمہ:۔ اپنے رب کے حمد کی تسبیح کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے مال جمع کرنے کی طرف ذرا بھی میلان نہ رکھا۔ اگر کہیں سے مال آ بھی جاتا تو فوراً صدقہ کر دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ جب صورتِ حال یہ ہو تو حضورؐ کی وفات کے بعد مال ودولت کہاں سے مل سکے گا چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

مَاتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِيْنَاراً وَلَادِرْهَماً وَلَاشَاةً وَلَا بَعِيْراً وَلَا اَوْصىٰ بِشَيْءٍ (۷)

(۱) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۶۴ (۲) بخاری ج ۲ ص ۸۱۴ (۳) بخاری ج ۲ ص ۹۵۶
(۴) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷۳ (۵) حوالہ مذکورہ (۶) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۴
(۷) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۵۰

رسول اللہ ﷺ نے (بعد وفات) نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ کوئی بکری چھوڑی، نہ اونٹ نہ کوئی (مال کے سلسلے میں) وصیت کی۔

حضور ﷺ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے یہ دعاء فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا (۱)

ترجمہ:۔اے اللہ! آل محمد کو بس اتنا رزق دے جو ان کی زندگی بچنے کے لئے کافی ہو جائے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ اگر چاہوں تو مکہ کی وادی سونے کی بنا دی جائے۔ میں نے کہا اے میرے پروردگار یہ سب نہیں چاہتا بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ

اَشْبَعُ يَوْماً وَاَجُوْعُ يَوْماً فَاِذَا اجِعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَاِذَا شَبِعْتُ شَكَرْتُكَ وَ حَمِدْتُكَ (۲)

ترجمہ:۔"ایک دن کھانا کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، پس جب بھوکا رہوں تو تجھ سے گریہ وزاری کروں اور تجھے یاد کروں اور جب کھانا کھاؤں تو تیری حمد بیان کرو، اور تیرا شکر ادا کروں"

اگر حضور اکرم ﷺ چاہتے تو صحابہ کرام خورد ونوش، آرام وآسائش کی چیزوں کا حضورؐ کے آگے ڈھیر لگا دیتے، خود چاہے کتنی ہی تکلیف و پریشانی میں گزر بسر کرتے مگر حضورؐ پر ایک دن بھی فقر وفاقہ کی نوبت نہ آنے دیتے۔ صحابہ کرامؓ حضور کی تنگدستی اور پریشانی دیکھ کر خود بخود بھی پیش کش کرتے رہتے تھے، مگر حضورؐ اس کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔ فقر وغربت میں زندگی بسر کرنا ہی حضورؐ کو زیادہ محبوب ومرغوب تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ چٹائی پر بغیر بستر کے لیٹے ہوئے تھے جب اٹھے تو چٹائی کے نشانات جسم اطہرؐ پر پڑ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمیں حکم دیں تو ہم بستر بچھا دیا کریں اور بھی دیگر سامانِ راحت وآسائش مہیا کر دیں؟ حضورؐ

(۱) مسلم ج ۲ ص ۴۰۹ (۲) ترمذی ج ۲ ص ۵۸

نے اسکے جواب میں فرمایا۔

مَالِیْ وَلِلدُّنیاَ وَمَا اَنَا فِی الدُّنْیاَ اِلَّا کَرَاکِبِ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَ کھَا (۱)

ترجمہ:۔ میں دنیا حاصل کر کے کیا کروں گا۔ میری دنیا میں مثال ایسی ہے جیسے کوئی مسافر تھوڑی دیر سایہ حاصل کرنے کیلئے درخت کے نیچے بیٹھ جائے پھر اسے وہاں سے جانا ہے اور اس درخت کو چھوڑ دینا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی مثالیں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضور اکرم ﷺ کے بلا واسطہ شاگرد و تربیت یافتہ تھے۔ اسلئے حضورِ اقدس ﷺ کے مزاج ورجحان کا انھوں نے پورا اثر قبول کیا، لہٰذا ان میں فقر و فاقہ کی زندگی سے ہم آہنگی، تنگدستی و مصائب پر صبر وضبط، حرصِ دنیا سے دوری وغیرہ اوصاف کا بدرجۂ اتم پایا جانا ایک بدیہی امر ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ آغاز اسلام میں بڑی فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہے تھے اس کی ایک اہم اور بڑی وجہ یہ تھی کہ مہاجرینؓ اپنا اثاثہ، گھر بار مکہ چھوڑ کر مدینہ آگئے تھے۔ مکہ کی زندگی میں جن کے پاس مال و دولت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ بحکم خداوندی ہجرت کے بعد وہ تک پائی پائی کے محتاج ہو گئے۔ انصارؓ نے اس موقع پر پورا پورا تعاون دیا۔ اپنے کاروبار، اپنی کھیتی باڑی اپنے گھر، جائداد، حتی کہ دو بیویوں والے نے اپنے مہاجر بھائی کی خاطر ایک بیوی کو طلاق دیدینے تک کی پیشکش کی۔ اس طرح حضور ﷺ کے قائم کردہ رشتۂ مواخات کی برکتوں کو سموئے اسلام کا قافلہ رواں دواں رہا۔ اور ایک وقت وہ بھی آیا جب اسلام مکہ مدینہ سے نکل کر عرب کے گوشے گوشے میں پہونچا اور عرب سے نکل کر عجم کی وسعتوں میں سما گیا۔ جوں جوں اسلام کو ترقی ملتی گئی مسلمانوں کے پاس دولت وثروت میں اضافہ ہوتا گیا اور پہلے والے حالات ختم ہو گئے۔ مسلمانوں کی غربت کی

(۱) ترمذی ج ۲ ص ۶۰

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جیسا ہر نبی کے ساتھ ہوتا آیا ہے (۱)

حضور ﷺ کی دعوت کو بھی پہلے پہل قبول کرنے والے اکثر غرباء ومساکین ہی تھے۔ بہر حال اسلام کو جوں جوں ترقی ملتی گئی، حالات بدلتے گئے اور مسلمانوں کے فقر وفاقہ کے دن بیت گئے حالات کی اس تبدیلی کا ذکر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اسی حدیث میں بھی ہے جس میں انھوں نے جمعہ کے دن غسل کے مسنون ہونے کی وجہ بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُونَ الصُّوْفَ وَيَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ اِنَّمَا هُوَ عَرِيْشٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِيْ ذَالِكَ الصُّوْفِ حَتّٰى ثَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ اٰذٰى بِذَالِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ الرِّيَاحَ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ اَحَدُكُمْ اَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيْبِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَاءَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ وَلَبِسُوْا غَيْرَ الصُّوْفِ وَكُفُوا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِيْ كَانَ يُؤْذِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ (۲)

ترجمہ:۔ اکثر لوگ محنت ومزدوری کر کے اپنے معاش کا انتظام کرتے اور غربت کے سبب اُونی کپڑے پہنتے تھے۔ مسجد نبویؐ بہت تنگ اور اس کی چھت بہت نیچی تھی۔ گویا سایہ کیلئے ایک چھپر ڈال دیا گیا تھا۔ ایک جمعہ کو رسول اللہ ﷺ گرمی کے موسم میں مسجدِ نبوی میں تشریف لائے، لوگ کمبل کے کپڑے پہننے سے پسینے میں شرابور تھے اور پسینے کی بدبو پھیل رہی تھی اور آس پاس کے لوگوں کو ایذاء پہونچا رہی تھی حضور ﷺ نے بھی جب اس بدبو کو محسوس کیا تو فرمایا دیکھو! جب جمعہ کا دن ہوا کرے تو غسل کر لیا کرو اور تم میں سے ہر ایک کے پاس جو بہترین خوشبو اور تیل ہو اسے لگا کر آیا کرو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی مال ودولت کی فراوانی عطا کی اور انھوں نے بھی کمبل کے علاوہ دوسرے کپڑوں کو پہننا شروع کیا محنت ومشقت کے کام سے فراغت ہوئی اور مسجد

(۱) بخاری ج ۱ ص ۴ (۲) ابوداؤد ج ۱ ص ۶۶ ۱۲

نبوی کی بھی توسیع ہوگئی اور پسینے کی تکلیف دہ بدبو ختم ہوگئی۔

بہرحال صحابہ کرامؓ کے فقر وفاقہ اور تنگدستی کے جو واقعات کتبِ حدیث میں ملتے ہیں، ان میں سے چند کا ذکر اگلی سطور میں آرہا ہے۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت محض اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے کی تھی اللہ یقیناً ہمیں اس کا اجر دے گا۔ ہم میں سے بعض وہ ہیں جو جلد ہی دنیا سے چلے گئے اور اللہ کا دنیاوی اجر مالِ غنیمت وغیرہ کے طور پر تھا اس میں سے کچھ بھی حصہ نہ پاسکے۔ انھیں لوگوں میں سے ایک حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی تھے جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ ان کے کفن تک کے لئے پورا کپڑا مہیا نہ ہوسکا۔ بس ایک چادر تھی جس سے اگر ہم ان کا سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا آخرکار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا سر ڈھک دو اور پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دو۔ اور ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنے مصائب وتکالیف کا ثمرہ دنیا میں پالیا اور اسے چن رہے ہیں (۱)

یہی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جن کے کفن تک کا پورا کپڑا نہ تھا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے بہت دولتمند تھے ہر طرح کے راحت وآسائش کا سامان مہیا تھا اسلام قبول کرنے کے بعد دیگر مسلمانوں کی طرح ان پر بھی مصائب آئے، تکالیف کی گھڑیاں آئیں اور مال ودولت کی جگہ فقر وفاقہ نے لے لی، یہ اپنا سارا مال ودولت مکہ چھوڑ آئے تھے۔ یہ ان کبارِ اصحاب صفہؓ میں سے ہیں جو مسجدِ قبا میں رہا کرتے تھے (۲)

مدینہ منورہ پہونچ کر غربت وافلاس کے جس عالم میں یہ زندگی بسر کر رہے تھے اس کی ہلکی سی جھلک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقل کردہ اس واقعہ میں نظر آتی ہے کہ ایک دن حضور ﷺ صحابہ کرام کے جھرمٹ میں مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں حضرت مصعب بن عمیرؓ اس حال میں آئے کہ ان کے بدن پر صرف ایک چادر تھی وہ

(۱) بخاری ج۲ص ۹۵۵-۱۲ (۲) مرقات ج چہارم

بھی ایسی کہ اس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ مصعب بن عمیرؓ کا یہ حال دیکھ کر حضور کو ان کی دولتمندی کا زمانہ یاد آ گیا، حضورؐ ضبط نہ کر سکے اور چشمِ مبارک سے آنسو رواں ہو گئے (۱)

اصحابِ صفہؓ کی غربت وناداری کا ذکر حضرت ابو ہریرہؓ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

رَأَيْتُ سَبْعِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ اِمَّا اِزَارٌ وَاَمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوْا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهٖ كَرَاهِيَةَ اَنْ تُرىٰ عَوْرَتُهٗ (۲)

ترجمہ:۔ میں نے ستر اصحاب صفہؓ کو دیکھا کہ انکے پاس چادریں نہ تک تھیں یا صرف ایک لنگی یا ایک گدڑی، جسے اپنی گردنوں میں باندھے رہتے تھے۔ ان میں سے بعض کی آدھی پنڈلی تک پہونچتی اور بعض کی دونوں ٹخنوں تک وہ لوگ اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے اکٹھا کئے رہتے اس ڈر سے کہ کہیں شرمگاہ نہ کھل جائے۔

زید بن اسلمؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ نے پانی مانگا تو انھیں ایسا پانی دیا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ تو بڑی لذیذ چیز ہے اللہ تعالیٰ نے قوموں کو ان کے خواہشاتِ نفس پر چلنے کی بناء پر عتاب فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اپنی لذیذ چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں لیجاؤ اور ان سے فائدہ اٹھالو۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدل عجلت کے ساتھ ہمیں دنیا ہی میں نہ مل جائے اور اس کے بعد آخرت میں ہم منہ دیکھتے رہ جائیں، یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے وہ پانی نہیں پیا (۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب تک خیبر فتح نہیں ہوا تھا ہمیں کھجور تک پیٹ بھر کے نہیں ملتی تھی (۴) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگوں کو بھوک کا تقاضا ہوا تو حضور ﷺ نے ہمیں ایک ایک کھجور عنایت فرمائی (۵)

غور کیجئے! شدید بھوک کے عالم میں ایک ایک کھجور سے کیا ہوتا ہے مگر فقر وغربت

---

(۱) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۹
(۲) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۷
(۳) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۹ رواہ رزین
(۴) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۹
(۵) ابن ماجہ ص ۳۱۶

اور افلاس و ناداری کا یہ عالم تھا کہ اس سے زیادہ دینے کی گنجائش نہیں تھی۔ بعض موقعے ایسے بھی آتے کہ ایک ایک کھجور تک نہ ملتی، یونہی دن گذر جاتا، رات بیت جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک کے مارے مسجدِ نبوی میں بیہوش پڑے رہتے تھے (۱) عتبہ بن مروان فرماتے ہیں کہ میں ساتواں مسلمان ہوں۔ اس وقت غربت وفقر کی یہ حالت تھی کہ میں نے ایک چادر پائی تو آدھی خود لی اور آدھی سعدؓ کو دی اور بھوک و پیاس میں ہم لوگ درخت کے پتے کھا کھا کر گزران کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہمارے جبڑے پھٹ جاتے (۲)

حضرت علیؓ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ رو رہے ہیں انھوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ یہ کیوں رو رہے ہیں انھوں نے جواب دیا، بھوک کی وجہ سے۔ (۳) ایک بار حضور اکرم ﷺ ایک غلام لے کر حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے، انھوں نے ادب وحیا کے پیش نظر جسم کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا مگر جو چادر اوڑھے ہوئے تھیں وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر ڈھکتیں تو پاؤں کھل جاتا، پاؤں ڈھکتیں تو سر کھل جاتا۔ حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کی یہ حالت اور پریشانی دیکھی تو فرمایا کوئی حرج نہیں، یہاں صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے (۴)

حضرت عائشہؓ کے پاس ایک معمولی جوڑا تھا۔ مدینہ منورہ میں جس لڑکی کی بھی شادی ہوتی، اس کے لئے جوڑے کو بطور رعایت منگوایا جاتا (۵) بعد میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حالانکہ وہ جوڑا ایسا ہے کہ اب میری باندی بھی اسے پہننے سے شرمائے گی مگر اس وقت فقر وغربت کی وجہ سے ویسا معمولی جوڑا بھی مہیا نہ ہوتا تھا اسلئے لوگ اپنی لڑکی کی شادی کے موقع پر مستعار لے جاتے تھے۔

حضرت ابوذرؓ کے گھر کا سامان دو درہم سے زیادہ کا نہ تھا (۶) حضرت ابولبابہؓ کا گھر نہایت بوسیدہ اور ان کا بستر پھٹا ہوا تھا (۷) حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت

(۱) ترمذی ج ۲ ص ۵۹
(۲) شمائل ترمذی باب ماجاء فی عیش النبی ﷺ
(۳) ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۶
(۴) کتاب اللباس ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۱
(۵) بخاری کتاب الھبۃ باب الاستعارۃ
(۶) اسوۂ صحابہ ص ۲۹۶
(۷) ابوداؤد ابواب تفریع شہر رمضان

ابوالدرداء کی ملاقات کو آئے تو دیکھا کہ بدن پر صرف ایک کپڑا اور اونچا پائجامہ ہے
(۱)حضرت سعید بن عامرؓ حمص کے گورنر تھے، گورنری کا وظیفہ ملتا تھا مگر سارا کا سارا راہ خدا میں خرچ کردیتے اور خود فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے، ایک بار حضرت عمرؓ حمص آئے اور حمص کے فقراؤ و مساکین کی فہرست مانگی، چنانچہ فہرست تیار کر کے دی گئی اس میں حضرت سعید بن عامرؓ کا بھی نام تھا۔ حضرت عمرؓ کو نام دیکھ کر بے حد تعجب ہوا انھیں یقین نہیں آیا، وہ سمجھے کہ سعید بن عامر کوئی اور ہیں مگر جب معلوم ہوا کہ نہیں یہ وہی سعید بن عامرؓ ہیں جو حمص کے گورنر ہیں تو حضرت عمرؓ رو پڑے۔ (۲)

ایک بار آنحضرت ﷺ مکان سے باہر نکلے تو اچانک ابوبکرؓ و عمرؓ بھی سامنے نظر آئے۔ حضورؐ نے فرمایا تم کو اس وقت تمہارے گھروں سے کس چیز نے نکالا ہے؟ دونوں نے جواب دیا ’’بھوک‘‘ حضورؐ نے فرمایا خدا کی قسم! مجھے بھی اسی چیز نے نکالا ہے جس چیز نے تم دونوں کو۔ اس کے بعد تینوں حضرات ایک انصاری صحابیؓ کے گھر پہونچے، انھوں نے جلدی جلدی تینوں حضرات کے لئے کھانے کا انتظام کیا (۳)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ میں بھوکا ہوں۔ حضورؐ نے ازواج مطہراتؓ کے پاس معلوم کرایا کہ کھانے کیلئے کچھ ہے یا نہیں، ہر جگہ سے جواب آیا کہ کچھ بھی نہیں ہے، حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کون اس شخص کو اپنا مہمان بنائے گا؟ ایک انصاری صحابیؓ اٹھے جن کا نام طلحہ تھا انھوں نے آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ وہ اس شخص کو لے کر گھر چلے، گھر پہونچ کر اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ کیا کچھ کھانے کو ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ بس بچوں کے کھانے کے لئے ہے، انھوں نے کہا کہ بچوں کو کسی بہانے سے سلادو اور وہی کھانا مہمان کو لاکر دو، میں بھی ساتھ بیٹھ جاؤں گا مگر کھاؤں گا نہیں جب میں کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاؤں تو تم اٹھ کر چراغ کی بتی ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ بجھا دینا تاکہ اندھیرے میں مہمان یہ سمجھے کہ میں بھی ساتھ میں کھانا کھا رہا ہوں

(۱)الادب المفرد (۲)اسوۂ صحابہ اوّل ص ۲۹۸ (۳)مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۶۸

اور وہ اطمینان کے ساتھ کھانا کھا سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، مہمان نے کھانا کھالیا اور دونوں میاں بیوی بھوکے رات گزار دی جب صبح ہوئی تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ فلاں میاں بیوی سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا (بخاری)

آخر حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کے سلسلے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط (حشر-۹)

وہ لوگ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ وہ خود بھوکے ہی رہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ناداری وافلاس اور فقر وغربت کے واقعات ہمارے لئے اس بات کا نمونہ ہیں کہ ہم بھی دینِ اسلام کی خاطر ہر قسم کا نقصان برداشت کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں، جان یا مال جس قسم کا اسلام کی طرف سے مطالبہ ہو اس کے پیش کرنے میں دریغ نہ کریں اس راہ میں فقر وفاقہ کی زندگی اور مصائب وآلام کی یورش ہمارے پائے استقلال میں لغزش اور ہمارے ارادوں میں تزلزل نہ پیدا کر سکے۔

غرباء کی تذلیل خدا کی ناراضگی کا سبب

اللہ تعالیٰ کو غرباء سے بے حد محبت اور تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ غرباء کی تحقیر وتذلیل خدا برداشت نہیں کر سکتا، محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنے دوست اور محبّ کی تذلیل وتحقیر گوارہ نہ ہو۔ جب غرباء کو خدا عزیز رکھتا ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تذلیل کس درجہ خدا کی ناراضگی کا باعث ہوگی؟

حد تو یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر حضور اقدس ﷺ کا رویہ ایسا نظر آیا جس سے بظاہر غرباء کی تحقیر نظر آئی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرت صہیب رومیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت خباب بن الارثؓ عنہما وغیرہ فقراءِ مسلمین بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں کچھ سرداران مشرکین آئے اور

انھوں نے کہا کہ اگر آپ ان نادار غریب وفاقہ مست لوگوں کو اپنی مجلس سے نکالدیں تو ہم آپ کی بات سن سکتے ہیں"۔ حضور اقدس ﷺ کے قلب اطہر میں دین کی تبلیغ واشاعت کا جو بے پناہ جذبہ موجزن تھا، اس کے تحت آپؐ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ لوگ اسی طرح ایمان لے آئیں، اگر میں تھوڑی دیر کے لئے اپنے ان مخلص ساتھیوں مجلس سے اٹھادوں تو کیا مضائقہ ہے؟ لیکن خدا کو غرباء وفقراء سے جو محبت ہے اس کے تحت اللہ تعالیٰ نے فوراً آیت نازل فرمائی اور حضور کو ایسا کرنے سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ یہ سرداران عرب خواہ اسلام لائیں یا نہ لائیں آپ کی باتوں کو سنیں یا نہ سنیں، آپ قطعی ان کے کہنے میں آکر صہیبؓ وبلالؓ جیسے مخلص ساتھیوں کو جو کہ اگر چہ دولتِ دنیا سے تہی دست ہیں مگر دولت ایمان اور اتباعِ رسولؐ سے سرشار ہیں مجلس سے تھوڑی دیر کے لئے بھی علیحدہ نہ کریں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ط (انعام۔۵۲)

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کو مت نکالئے جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضاء کا قصد رکھتے ہیں (۱)

یہی مفہوم دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغُدْوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ہ (کہف۔۲۸)

ترجمہ:۔ اور آپؐ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضاء جوئی کے لئے کرتے ہیں اور اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے۔

(۱) مسلم ج ۲ ص ۲۸۱ وروح المعانی ج ۷ ص ۱۳۷

ایک دوسرا واقعہ یوں پیش آیا کہ حضور اکرم ﷺ عتبہ بن ربیعہ ابوجہل بن ہشام عباس بن عبدالمطلب، ابی بن خلف اور امیہ بن خلف اشرافِ قریش کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ اتنے میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو جو اللہ نے سکھایا ہے، مجھے تعلیم فرمایئے۔ عبداللہ بن ام مکتومؓ نے یہ جملہ بار بار دہرایا وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ حضورؐ دوسروں سے گفتگو کر رہے ہیں اور اسطرح قطعِ کلام ہوگا، حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کا اسطرح درمیان میں دخل دینا حضورؐ کو پسند نہ آیا اور ناگواری کے آثار چہرہ مبارک پر ظاہر ہوئے اور ابن امِ مکتومؓ کی طرف حضورؐ نے کوئی توجہ نہ دی، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ہ اَنْ جَاءَ ہُ الْاَعْمٰی ہ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّه یَزَّكّٰی ہ اَوْیَذَّكَّرَ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ہ اَمَّا اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ہ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ہ وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ یَسْعٰی وَهُوَ یَخْشٰی ہ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ہ كَلَّا اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ہ فمن شاء ذَكَرَهٗ ہ (عبس ۱ تا ۱۲)

ترجمہ:۔ ''پیغمبر چیں بجبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ انکے پاس اندھا آیا اور آپکو کیا خبر؟ شاید نابینا آپکی تعلیم سے پورے طور پر سنور جاتا یا کسی خاص امر میں نصیحت قبول کرتا۔ پس اس کو نصیحت کرنا کچھ فائدہ پہونچاتا۔ تو جو شخص دین سے بے پروائی کرتا ہے آپ اسکی فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ کو کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دین کے شوق میں دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں آپ آئندہ ہرگز ایسا نہ کریں۔ قرآن محض ایک نصیحت کی چیز ہے پس جس کا جی چاہے اسکو قبول کرے''۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن امِ مکتومؓ کا خصوصی خیال رکھنے لگے تھے۔

کتب احادیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے بھی ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ غرباء کی ناراضگی اور خفگی سے بچنا چاہئے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے کہ اگر وہ خدانخواستہ کسی بات پر ناراض ہو گئے ہوں تو ان کی ناراضگی

دور ہو جائے اور وہ خوش ہو جائیں۔

صلحِ حدیبیہ کے بعد ابوسفیان حالتِ کفر میں کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور حضرت بلالؓ، حضرت صہیب رومیؓ حضرت سلمانؓ کے پاس سے ان کا گزر ہوا۔ ان لوگوں نے جب ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو دیکھا تو کہا کہ ''اللہ کا دشمن اللہ کی تلوار سے بچا کیسے رہ گیا''؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، انھوں نے حضرت بلالؓ وغیرہ کو ابوسفیان وغیرہ کے متعلق ایسا کہنے سے منع کیا اور فرمایا کہ قریش کے سردار کے سلسلے میں ایسی بات نہ کہو۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ رسولِ خدا ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ بلالؓ وصہیبؓ وغیرہ نے ابوسفیان وغیرہ کے متعلق یہ بات کہی تھی تو میں نے انھیں اس سے روکا۔ حضور ﷺ نے پوری بات سنکر فرمایا۔

يَااَبَابَكْرٍ لَعَلَّكَ اَبْغَضْتَهُمْ لَئِنْ كُنْتَ اَبْغَضْتَهُمْ لَقَدْ اَبْغَضْتَ رَبَّكَ.

ترجمہ:۔ اے ابوبکر! شاید تم نے انھیں ناراض کر دیا اگر تم نے انھیں ناراض کر دیا تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے خدا کو ناراض کر دیا (کیونکہ غرباء کی ناراضگی خدا کی ناراضگی کا سبب ہے)

حضورؐ کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکرؓ فوراً اٹھے اور حضرت صہیبؓ وبلالؓ وسلمان کے پاس آئے اور فرمایا اے میرے بھائیو! کیا تم لوگ میری بات سے ناراض ہو گئے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا۔

لا! يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ يَا اَخِي (۱)

نہیں اے میرے بھائی! اللہ تمہاری مغفرت کرے

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرے اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے درمیان ایک معاملہ میں کچھ کہا سنی ہوگئی۔ میں نے انھیں بہت ہی سخت سست کہدیا۔ حضرت عمارؓ میری شکایت لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہونچے، میں بھی پیچھے پیچھے پہونچا۔ دیکھا کہ عمارؓ، حضور ﷺ سے میری...... شکایت کر رہے ہیں۔ میں نے

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۰۴

حضور ﷺ کے سامنے ہی عمارؓ کو اور بھی زیادہ سخت کہنا شروع کر دیا حضور ﷺ خاموش رہے، کچھ نہیں بولے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عمارؓ رو پڑے اور کہنے لگے حضورؐ! آپؐ دیکھ نہیں رہے ہیں خالدؓ مجھے کیا کیا کہے جا رہے ہیں۔'' اس پر حضورؐ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا۔

مَنْ عَادیٰ عَمَّارً عَادَاهُ اللّٰهُ مَنْ اَبْغَضَ عَمَّار اَبْغَضَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ:۔''جس نے عمارؓ سے دشمنی کی اللہ نے اس سے دشمنی کی جس نے عمارؓ کو ناراض کر دیا اللہ اس سے ناراض ہو گیا۔

حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں خاموش ہو گیا اور اب حضرت عمارؓ کو منانے اور راضی کرنے کی کوشش کرنے لگا یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئے اور ان کی ناراضگی دور ہو گئی (۱)

ان احادیث سے بالکل صاف پتہ چلتا ہے کہ غرباء کو ناراض کرنا، خدا کی ناراضگی کو مول لینا ہے اور ظاہر ہے کہ جس سے خدا ناراض ہو جائے پھر اس کا ٹھکانہ دنیا جہان میں کہاں ہو سکتا ہے؟

احادیث میں حضور اقدس ﷺ نے غرباء وفقراء سے محبت کرنے اور ان سے قربت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے ایک بار حضرت عائشہؓ سے حضورؐ نے فرمایا۔

يَا عَائِشَةُ! اَحِبِّى الْمَسَاكِيْنَ وَقَرِّبِيْهِمْ فَاِنَّ اللّٰهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۲)

ترجمہ:۔اے عائشہ! مساکین سے محبت رکھو اور ان سے قربت اختیار کرو اسلئے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم کو اپنی قربت سے نوازے گا۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے سات چیزوں کا حکم دیا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں مساکین سے محبت رکھوں اور ان کی قربت تلاش کروں (۳)

---

(۱) منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۵ (۲) ترمذی ج ۲ ص ۵۸
(۳) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۹ عن ابی ذر

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں دو بھائی تھے۔ ان میں سے ایک اپنے کاروبار میں مشغول رہتا، دوسرا حضورؐ کی خدمت میں آکر تحصیل علم کرتا اور ظاہر ہے کہ جو کاروبار کرتا تھا وہ دولت مند تھا اور جو بھائی تحصیلِ علم میں لگا رہتا تھا اور کاروبار نہیں کرتا تھا وہ غریب اور تنگدست تھا، کاروبار کرنے والے بھائی نے حضورؐ سے شکایت کی کہ میرا دوسرا بھائی کاروبار میں کوئی دلچسپی ہی نہیں لیتا صرف تحصیلِ علم میں لگا رہتا ہے، حضورؐ نے اسے شکایت کرنے سے باز رکھا اور فرمایا۔

لَعَلَّكَ تُرْزَقُ به (۱)

تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا رزق بھی اسی (غریب) بھائی کی وجہ سے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام غرباء کی کسی طرح سے بھی توہین وتذلیل گوارہ نہیں کرسکتا۔ جن جن راستوں اور ذریعوں سے فقراء کی تذلیل ہوسکتی تھی ان پر پابندی عائد کردی گئی اور دولتمند طبقے کو غرباء کی تحقیر سے باز رہنے کا سختی ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ ادا کرتے وقت مالداروں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مَنّ (احسان جتا) کر اور اذی (تکلیف پہونچانے والا) رویہ اختیار کر کے زکوٰۃ نہ دیں۔ کیونکہ اس سے جہاں اخلاص کی دولت چھن جاتی ہے۔ وہیں اس سے غرباء کی تذلیل وتحقیر کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔

مَنّ احسان جتانے کو کہتے ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مَنّ کی اصل یہ ہے کہ آدمی دل میں اپنے صدقہ کو احسان یا انعام تصور کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فقیر کو کچھ رقم دے کر اس پر بڑا احسان کیا ہے...... اس نے زکوٰۃ دے کر دوسرے لوگوں کو بتلایا، علانیہ زکوٰۃ دی تاکہ لوگ دیکھ لیں۔ اور زکوٰۃ کے عوض میں فقراء سے خدمت، تشکر، دعاء اور اعزاز واکرام کی خواہش کی اور یہ تمنا کی کہ لوگ اسے مجلس میں آگے جگہ دیں اور اس کی اتباع کریں........ اذیٰ وتکلیف پہونچانے کے ظاہری معنیٰ یہ ہیں کہ فقیر کو ڈانٹا جائے، اسے لعنت ملامت کی جائے، اس سے سخت بات کی جائے۔ جب وہ مانگنے آئے تو دینے والا ترش روئی اختیار کرے۔ فقیر کی توہین کے

ارادے سے اعلانیہ زکوٰۃ دے یا اسی طرح اور طریقے اختیار کرے جن سے فقیر کی توہین ہوتی ہو .... باطن میں اذیٰ کی صورت یہ ہے کہ ....اپنے آپ کو محتاج سے افضل تصور کرے اور یہ سمجھے کہ مانگنے والا شخص اپنی ضرورتوں کی وجہ سے مرتبے میں مجھ سے کم ہے (۱)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ دولت مند حضرات، فقراء و مساکین کو اپنے سے حقیر کیوں سمجھتے ہیں حالانکہ غرباء کے ذریعہ وہ زکوٰۃ جیسے اہم فریضہ سے سبکدوشی حاصل کرتے ہیں اگر فقراء خود سے جا کر نہ لیں تو مالداروں کو بہر حال زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ اور خود تلاش کر کے اداء کرنی ہے اور کسی نہ کسی طرح اس فریضہ سے فارغ ہونا ہے۔ جو فقراء دولت مندوں کے پاس جا کر خود زکوٰۃ وصول کر لیتے ہیں تو گویا خود دولت مندوں پر احسان کرتے ہیں کہ ان کو بہ سہولت فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش کرا دیتے ہیں۔ لہٰذا مالداروں کو خود فقراء کا احسان ماننا چاہئے نہ کہ الٹے دے کر ان پر احسان جتایا جائے اور ان کی تحقیر کا رویہ اپنایا جائے (۲)

خلاصہ یہ کہ فقراء کی توہین وتذلیل کی جو صورت بھی ہو اسلام اسے قطعاً برداشت نہیں کرسکتا۔ اس کے برعکس ان کی عزت وتوقیر ان سے محبت اور ان سے قربت کو رضائے خداوندی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

مانگنے کی ممانعت واجازت

بھیک مانگنا آج کے دور میں ایک پیشہ بن چکا ہے۔ بہت سے لوگ جو اچھے خاصے آسودہ حال اور فارغ البال ہوتے ہیں وہ بھی دردر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے اپنا خاندانی حق سمجھتے ہیں اور گھر پر اگرچہ مال ودولت کا انبار ہو، شاندار

(۱) ترمذی ج ۲ ص ۵۸ (۱) احیاء علوم الدین ج اول ص ۵۴۲

مکان موجود ہو، کھیتی باڑی اور دیگر ذریعۂ معاش کا انتظام ہو مگر پھر بھی وہ بھیک مانگنے سے باز نہیں آتے، بھیک مانگنے والوں نے آج کے ماحول میں بھیک مانگنا اپنا ذریعۂ معاش بنالیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو حقیقتاً زکوٰۃ وصدقات کے مستحق ہوتے ہیں مگر غیرت اور شرم کی وجہ سے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے، کسی کے آگے منہ نہیں کھولتے وہ بیچارے رہ جاتے ہیں اور جو کسی طرح زکوٰۃ وصدقات کے مستحق نہیں ہوتے، مگر باتیں بنانا خوب جانتے ہیں، اپنے آپ کو مسکین وغریب ظاہر کرنے کا فن جنھیں خوب آتا ہے وہ دردر گھوم پھر کر زکوٰۃ وصدقات وصول کر لے جاتے ہیں۔ اخبارات میں ایسے بھیک مانگنے والوں کا ذکر آئے دن آتا رہتا ہے جنکے مرنے کے بعد اچھی خاصی جائداد کا پتہ چلا۔ بینک میں جمع روپئے نکلے۔

اسلام نے بھیک مانگنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی ہے۔ اور خود محنت مزدوری کر کے کھانے کمانے کا حکم دیا ہے۔

ایک بار ایک انصاری صحابیؓ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ سوال کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ انھوں نے جواب دیا جی ہاں! ایک کمبل ہے جس کا آدھا حصّہ اوڑھ لیتے ہیں اور آدھا بچھاتے ہیں۔ اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ صحابی گئے اور دونوں چیزیں لے آئے۔ حضورؐ نے دونوں کو اپنے ہاتھ مین لیا اور فرمایا۔

مَنْ يَشْتَرِيْ هٰذَيْنِ

ان دونوں کو کون خریدے گا؟۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا میں انھیں ایک درہم میں خریدتا ہوں، حضورؐ نے فرمایا۔

مَنْ يَزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا؟

ترجمہ:۔ کون اس سے زیادہ دیگا۔ حضورؐ نے یہ بات دو یا تین بار دھرائی۔

ایک دوسرے صحابی نے کہا کہ "میں دو درہم میں خریدوں گا۔" حضورؐ نے دونوں چیزیں انھیں کے حوالے کردیں اور ان سے دو درہم لے کر انصاری صحابیؓ کو دیدیے

اور فرمایا کہ اس میں سے ایک درہم کا کھانا خرید کر اپنے گھر والوں کو لے جا کر دو اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ انصاری صحابی گئے اور حضورؐ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر لے آئے۔ حضورؐ نے اس میں اپنے مبارک ہاتھوں سے دستہ لگایا اور فرمایا۔

اِذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وبِعْ وَلَا أرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عشْرَيَوْماً.

ترجمہ:۔ جاؤ لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لا کر بیچو اور دیکھو پندرہ دن سے پہلے میرے سامنے نہ آنا۔

چنانچہ وہ گئے اور جنگل سے لکڑیاں لاتے اور بازار میں لا کر فروخت کرتے۔ جب پندرہ دن گزر گئے تو وہ حضورؐ کے پاس آئے اس پندرہ دن کی کمائی کی برکت یہ ہوئی کہ کہاں تو ان کے پاس ایک درہم نہ تھا، کسی طرح ان کا کمبل اور پیالہ فروخت کر کے حضورؐ نے دو درہم کا انتظام کیا تھا۔ اور کہاں اب دس درہم ان کے پاس موجود تھے، کچھ کا انھوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کا کھانا حضورﷺ نے دیکھا تو فرمایا۔

هٰذَا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تُجِئَ الْمَسْئَلَةَ نُكْتَةٌ فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۱)

"یہ بات اس سے بہتر ہے کہ تم بھیک مانگنے کی وجہ سے قیامت کے دن اس حال میں آتے کہ تمہارے اوپر بھیک مانگنے کا نشان ہوتا"۔

یہ حدیث بھیک مانگنے کے متعلق اسلام کے موقف کو بڑی اچھی طرح واضح کر رہی ہے۔ کتنے عمدہ انداز میں حضور اقدسﷺ نے انصاری صحابیؓ کو اپنے ہاتھ کی کمائی کیطرف متوجہ کیا اور بھیک مانگنے کی قباحت وشناعت سے آگاہ کر دیا۔

احادیثِ نبویہ میں صراحۃً بھیک مانگنے کی مذمت آتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يُسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأتِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ (۲)

ترجمہ:۔ "جو آدمی لوگوں سے برابر مانگتا رہتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئیگا کہ اسکے چہرہ پر ذرا بھی گوشت نہ ہوگا۔

ایسا اس لئے ہوگا کہ قیامت میں لوگ دیکھ کر پہچان لیں کہ یہ دنیا میں بھیک مانگا کرتا تھا اس طرح سب کے سامنے اس کی رسوائی اور ذلت ہوگی جس طرح دنیا میں مانگ مانگ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنے آپ کو رسوا کرتا رہا ہے (۳)

(۱) ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۸ _ ۱۲ (۲) بخاری ج ۱ ص ۱۹۹ (۳) مرقات ج ۲ ص ۴۵۳

دوسری حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا

لَاَنْ یَّاْخُذَ اَحَدُکُمْ حَبْلَهٗ فَیَاْتِیْ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰی ظَهْرِهٖ فَیَبِیْعُهَا فَیَکُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ (۱)

''تم میں سے کوئی اپنی رسی لے اور لکڑیوں کا گٹھر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اور اسے فروخت کرے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کو بھیک مانگنے کی ذلت سے محفوظ رکھے یہ بہتر ہے اس بات سے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے لوگ اسے دیں یا واپس کر دیں۔''

حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا تو حضورؐ نے مجھے عطا کیا اور فرمایا کہ اے حکیم! دنیا سر سبز اور میٹھی چیز ہے۔ جو اس کو سخاوتِ نفس کے ساتھ لیتا ہے اس کے لئے اس میں برکت ہوتی ہے اور جو اسے لالچ کے طور پر لیتا ہے اس کا حال یہ ہوتا ہے کھاتا ہے مگر سیری نہیں ہوتی۔ اور اے حکیم! اوپر کا (دینے والا) ہاتھ، نیچے کے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیمؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اب میں زندگی بھر کسی سے کوئی سوال نہیں کرونگا۔ (۲)

جو شخص صرف اس لئے بھیک مانگتا ہوتا کہ مانگ مانگ کر مال جمع کرلے حالانکہ اس کو کوئی ایسی حاجت پیش نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ مانگنے پر مجبور ہو تو اسکے متعلق حدیث میں آیا ہے وہ گویا مانگ مانگ کر اپنے لئے جہنم کی آگ جمع کر رہا ہے۔ فرمان نبوی ہے۔

مَنْ سَاَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَکَثُّرًا فَاِنَّمَا یَسْئَلُ جَمْرًا فَلْیَسْتَقِلَّ اَوْ یَسْتَکْثِرْ (۳)

ترجمہ:۔ ''جو شخص لوگوں سے مال اس لئے مانگے تاکہ اس کی دولت بڑھ جائے، ایسا شخص انگارے مانگ رہا ہے اب یہ اسکے اختیار میں ہے، چاہے کم انگارے جمع کرے یا زیادہ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ یَّکْفُلُ لِیْ اَنْ لَّا یَسْاَلَ النَّاسَ شَیْئًا فَاَتَکَفَّلُ لَهُ الْجَنَّةَ. (حدیث)

(۱) بخاری ج ۱ ص ۱۹۹ (۲) بخاری ج ۱ ص ۱۹۹ (۳) مسلم ج ۱ ص ۳۳۳

''کون میرے لئے اس بات کا کفیل ہوتا ہیکہ وہ لوگوں سے کچھ سوال نہیں کریگا؟ تو میں ایسے شخص کیلئے جنت کی کفالت لیتا ہوں۔

حضرت ثوبانؓ نے فرمایا اَنَا (میں) اس کے بعد حضرت ثوبانؓ کا معمول ہو گیا کہ وہ کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے (۱)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ ﷺ نے مجھ سے عہد لیا کہ میں کبھی کسی سے کچھ نہ مانگوں۔ یہاں تک کہ اگر میرا کوڑا بھی گر پڑے تو وہ بھی کسی سے اٹھانے کو نہ کہوں بلکہ (گھوڑے سے) اتر کر خود اٹھالوں (۲)

ایک حدیث میں حضرت سمرہ بن جندبؓ، حضور کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

اَلسَّائِلَ کَدُوْحٌ یَکْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهٗ فَمَنْ شَاءَ اَبْقٰی عَلٰی وَجْهِهٖ وَمَنْ شَاءَ تَرَکَهٗ (۳)

ترجمہ:۔ ''سوال کرنا ایک زخم ہے اور خوش ہے جسکے ذریعہ آدمی اپنے چہرے کو زخمی کر لیتا ہے پس جو چاہے اپنے اس زخم کو باقی رکھے جو چاہے اسے ترک کر دے۔''

ظاہر ہے کہ جو آدمی مانگنے کا سلسلہ جاری رکھے گا۔ اس نے اپنے چہرے کی خراش وزخم کو باقی رکھا اور جو اس زخم وخراش کو ختم کرنا چاہے اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ مانگنا چھوڑ دے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو بندہ لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھول دیتا ہے اللہ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے (۴) یعنی لاکھوں مانگا کرے مانگنے سے اس کی محتاجگی دور نہیں ہوتی۔ وہ فقیر رہتا ہے۔

ان احادیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ لوگوں سے مانگنے کی اجازت نہیں ہے۔ مگر تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے اور احادیث میں وہ شکلیں بھی بیان کی گئی ہیں جب ایک انسان کے لئے دوسرے سے مانگنا جائز اور حلال ہو جاتا ہے۔

حضرت قبیصہ بن مخارقؓ فرماتے ہیں کہ

(۱) ابوداؤد ج اص ۲۴۸ (۲) مشکوٰۃ ج اص ۱۶۴ (۳) ابوداؤد ج اص ۳۴۷ ۱۲

(۴) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۱ رواہ الترمذی ۱۲

تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَسْئَلُهُ فِيْهَا فَقَالَ اَقِمْ حَتّٰى تَاْتِيَنَا الصَّدَقَةُ ،فَنَاْمُرُلَكَ بِهَا،ثُمَّ قَالَ يَاقَبِيْصَةُ، اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِاَ حَدِثَلَاثَةٍ رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتِ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَرَجُلٌ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اِجتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَاماً مِنْ عَيْشٍ اَوْقَال سَدادااَمِنْ عَيْشٍ وَرَجُلٌ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُوْمَ ثَلٰثَةٌ مِنْ ذَوِالْحَجِيْ مِنْ قَوْمِهٖ لَقَدْاَصَابَتْ فُلَانَافَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَاماً مِنْ عيش اوقَالَ سِدَاداً مِنْ عَيْشٍ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْئَلَةِ يَاقَبِيْصَةُ سُحْتٌ يَاْكُلُ صَاحِبُهَا سُحْتاً (۱)

''میں ایک ضمان کا کفیل بن گیا تھا۔ چنانچہ میں اس کے سلسلہ میں کچھ مانگنے کیلئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کچھ دن ٹھہرے رہو یہاں تک کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آجائے اور ہم اسی میں سے تمہیں دینے کا حکم دیدیں، پھر حضورؐ نے فرمایا اے قبیصہؓ! تین آدمیوں کے علاوہ مانگنا کسی کو حلال نہیں ایک وہ شخص جو کسی کا ضامن بن گیا ہو اس کے لئے اس وقت تک مانگنا حلال ہے جب تک کہ ضمان کا انتظام نہ کرلے۔ اس کے بعد وہ نہ مانگے دوسرا وہ شخص جو کہ کسی آفت میں مبتلا ہوگیا ہو اور مال ضائع و برباد ہوگیا ہو۔ اسکے لئے بھی مانگنا اس وقت تک جائز ہے جب تک کہ زندگی کی حاجات ضروریہ کا انتظام نہ کرلے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو فاقہ میں مبتلا ہوگیا ہو۔ یہاں تک کہ اسی کی قوم کے تین سمجھدار آدمی گواہی دیں کہ فلاں فاقہ کرتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے بھی سوال کرنا حلال ہے اس وقت تک جب تک کہ ضروریات زندگی کا انتظام نہ کرلے۔ اے قبیصہ! اسکے علاوہ جو لوگ مانگتے ہیں وہ حرام کھاتے ہیں۔

سہل بن حنظلہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے پاس صبح و شام کے کھانے کا انتظام ہو اسے مانگنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جس کے پاس ایک دن اور ایک رات کے کھانے کا انتظام ہو اسے دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنے کا حق نہیں ہے (۲) ایک دوسری روایت ہے جو کہ حبشی

(۱) مسلم ج ۱ ص ۳۳۴   ۱۲   (۲) مشکوۃ ج ۱ ص ۱۶۳

بن جنادہؓ سے مروی ہے پتہ چلتا ہے کہ دولتمندوں، اور ایسے اشخاص جو اعضاء وتندرستی کے اعتبار سے صحت مندوں اور کمانے پر قادر ہوں، کے لئے مانگنا درست نہیں البتہ وہ لوگ مانگ سکتے ہیں جو فقر وفاقہ د کی وجہ سے زمین سے اٹھنے تک کی سکت نہ رکھتے ہوں یا ایسے تاوان میں گھر گئے ہوں جو انھیں رسوائی تک پہونچادیں (۱)

کن کن لوگوں کو مانگنے کی اجازت ہے اور کن کو نہیں ہے؟ اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فیصلہ کن بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''علماء نے کہا ہے کہ جس کے پاس ایک دن کی روزی کا انتظام ہوا سے لوگوں سے نہیں مانگنا چاہئے۔ کیونکہ ایسے شخص کو کوئی ضرورت نہیں ہے، اور بلاضرورت سوال کرنا حرام ہے لیکن اگر ایک دن کی روزی کا انتظام نہ ہو یا ایسی چیز نہ رکھتا ہو جس سے اپنی شرمگاہ چھپائے تو اس کے لئے مانگنا حلال ہے۔ ایسا فقیر جسے ایک دن کا رزق حاصل ہو یا حلال کمائی پر قادر ہو اس کیلئے لوگوں سے سوال کرنا اور زکوٰۃ وصول کرنا حرام ہے اور مسکین جو کہ کوئی ایسی چیز نہ رکھتا ہو جس کے ذریعہ ایک دن کی روزی کا انتظام کرے اور وہ حلال کمائی پر بھی قادر نہ ہو اس کے بھی سوال کرنا حلال ہے۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بلاضرورت وحاجت لوگوں سے سوال کرنا ممنوع ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ حرام ہے یا حلال؟ یا کراہت تین شرطوں کے ساتھ۔ ایک یہ کہ خود کو ذلیل نہ کرے، دوسرے یہ کہ جس سے مانگ رہا ہے اس کے پیچھے نہ پڑ جائے۔ تیسرے یہ کہ جس سے مانگ رہا ہے مانگ کر اسے ایذاء نہ پہنچائے۔ ان تین شرطوں میں سے اگر ایک بھی شرط مفقود ہو جائے گی تو باتفاقِ علماء مانگنا حرام ہوگا۔ اس کے علاوہ جھوٹ بول کر لے جانا۔ یا ارتکابِ معصیت کے ارادے سے لے جانا حرام ہے۔ نیز جو فقیر ڈھول وغیرہ بجا بجا کر مانگتا پھرے اسے بھی نہیں دینا چاہئے (۲)

ایسے فقیر، جن کا پیشہ اور ذریعۂ معاش ہی مانگنا ہو اور ان کے متعلق یہ بھی معلوم ہو کہ اس طرح کے لوگ اکثر مالدار ہوتے ہیں، کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر لاعلمی میں دے دی تو ادا ہو جائے گی (۳)

---

(۱) ترمذی ج ۱ ص ۸۳ ۱۲ (۲) اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۳۰

(۳) شامی ج ۲ ص ۹۵ ۱۲

اسلام کی تعلیم فقراء و مساکین کے لئے یہ ہے کہ وہ حتی الامکان لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے پرہیز کریں اور اپنے فقر و فاقہ کو لوگوں سے چھپائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَنْ جَاعَ اَوِاحْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَّرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ (رواه البهيقى) (۱)

''جو بھوکا ہو یا محتاج ہو، بس اس نے اپنی بھوک اور محتاجگی کو لوگوں سے چھپایا تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے پورے سال حلال رزق عطاء فرمائے گا۔

ایک اور ارشادِ نبویؐ ہے۔

مَنْ يَسْتَعِفَ يَعِفَّهُ اللّٰهُ وَ مَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَ مَنْ يَتَصَبَّرْ يَصْبَرْهُ اللّٰهُ وَ مَا اَعْطىٰ اَحَدُ عَطَاءٍ هُوَ خَيْرٌ وَاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ (۲)

''جو لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے پرہیز کرے گا، اللہ تعالیٰ اسکو لوگوں کی محتاجگی سے بچائیگا اور جو لوگوں سے بے نیاز ہے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں سے بے نیاز کردیگا اور جو مصائب و تکالیف پر صبر کریگا اللہ تعالیٰ اسے صبر کی طاقت دے گا۔ اور صبر سے بڑھ کر اور صبر سے بہتر کوئی عطا کسی کو نہیں ملی۔''

یوں بھی حدیث میں زکوٰۃ کو اوساخ الناس (لوگوں کا میل کچیل) قرار دیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کر کے مسلمان خود کو زکوٰۃ نہ دینے کی صورت میں جو گناہ ہوتا ہے اس سے پاک کرتے ہیں۔

قرآن میں ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ .

ترجمہ:۔ (ان کے اموال سے صدقہ (زکوٰۃ) لیجئے جو انھیں گناہوں سے پاک کردے۔)

اسلئے بھی انسانوں کے اس میل کچیل سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

حدیث میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں۔

اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ اِنَّمَا هِىَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّمَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا اٰلِ محمد (۳)

(۱) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۹ (۲) بخاری ج ۱ ص ۱۹۹ ۱۲ (۳) مسلم ج ۱ ص ۳۴۵

''یہ صدقات (زکوٰۃ) لوگوں کا میل کچیل ہے۔ یہ محمدؐ اور آل محمدؐ کے لئے حلال نہیں ہے۔''

فقہاء ومحدثین کی تشریح کے مطابق آل محمد میں آل علیؓ، آل عباسؓ، آل جعفرؓ، آلِ عقیل، آلِ حارث بن عبدالمطلب اوران کے موالی شامل ہیں۔ ان لوگوں کے لئے صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ لینا حلال نہیں ہے (۱) ان کے علاوہ جو لوگ ہیں، ان کے لئے جائز وحلال ہے۔ مگر پھر بھی بہتر یہی ہے کہ اپنی تنگدستی اور فقر وفاقہ کو چھپایا جائے اور خود سے مطالبہ کر کے لوگوں سے نہ مانگا جائے۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔

ایک طرف یہ حکم ہے کہ اپنی تنگدستی کو چھپاؤ اور لوگوں سے مانگنے سے بچو، دوسری طرف امیر ودولتمند طبقے کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ خود فقراء ومساکین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیں۔ اور خاص طور سے ایسے لوگوں کو تلاش تلاش کر کے دیں جو اپنی غیرتِ نفس، اور شرافت کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے، مگر ان کے چہرے اور ان کے حالات ان کے فقر وفاقہ کی غمازی کرتے ہیں۔ نیز دولتمندوں کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی تمہارے سامنے دستِ سوال دراز کرے تو اسے لوٹاؤ نہیں کچھ ضرور دیدو اور اگر نہ دے سکو تو اچھے طریقے سے معذرت کرلو۔ انھیں ڈانٹو ڈپٹو نہیں، انھیں جھڑکو مت۔

ارشاد باری ہے۔

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ۔۱۰)

''اور مانگنے والے کو جھڑکو مت''

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ع ۝ (بقرہ۔۲۷۳)

ترجمہ: ''اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ وہ کسبِ معاش کے لئے زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف

(۱) ہدایہ ج ا ص ۱۸۶

شخص انھیں خوشحال و مالدار سمجھتا ہے تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی کیفیت کا پتہ لگا سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے، اور جو مال تم خرچ کرو گے اللہ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔

جب در پر اگر کوئی فقیر صدا دیدے تو اسے کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہئے ام مجیدؓ ایک صحابیہ ہیں انھوں نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسولؐ! میرے دروازے پر مسکین آ کر کھڑا ہو جائے اور اتنی دیر تک کھڑا رہے کہ مجھے شرم آنے لگے اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اسکے ہاتھ پر رکھ سکوں، تو ایسی صورت میں کیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا۔

اِرْفَعِی فِیْ یَدِہٖ وَلَوْ ظِلْفًا مُحْرَقًا (۱)

ترجمہ:۔ اسکے ہاتھوں پر کچھ نہ کچھ ضرور رکھو، خواہ جلی ہوئی کھر سہی۔

دوسری حدیث میں رسول خدا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلًا قِیْلَ نَعَمْ قَالَ الَّذِیْ یُسْأَلُ بِاللّٰہِ وَلَا یُعْطِیْ بِہٖ (رواہ احمد) (۲)

خبردار! کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ برا کون ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حضورؐ! ضرور بتایئے حضورؐ نے فرمایا وہ شخص سب سے برا ہے جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے مگر پھر بھی نہ دے۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ وہ فقرا و مساکین جو زکوٰۃ وصدقات لے رہے ہیں۔ خواہ خود سے مانگ کر، یا بے مانگے ملا ہوگا۔ بہر صورت ان پر واجب ہے کہ وہ دینے والے کا شکر ادا کریں۔ اوّل خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اصل میں اسی نے عطا کیا ہے، دوسرے نمبر پر صدقات وخیرات دینے والے کہ وہ واسطہ اور ذریعہ بنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ (ترمذی عن ابی ہریرہ)

جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا، اس اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔

(۱) ترمذی ج ۱ ص ۸۴ (۲) مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۶۔ ۱۲

فقراء کی ذمہ داری ہے کہ وہ دینے والے کے حق میں دعائے خیر کریں۔

مَنْ اَبْدَی اِلَیْکُمْ مَعْرُوْفًا فَکَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُوْا فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰی تَعْلَمُوْا اَنَّکُمْ قَدْ کَافَاْتُمُوْهُ (ابوداؤد وشامی من ابن عمر)

"جو شخص تمہارے ساتھ نیکی کرے تم اس کا بدلہ چکاؤ۔ اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو اسکے لئے دعا کرتے رہو۔ یہاں تک کہ تم کو اس کی مکافات کا یقین ہو جائے۔"

"شکر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر عطیے میں کوئی عیب ہو تو اسے چھپائے، اس کی تحقیر نہ کرے، نہ عیب لگائے، اور اگر کوئی شخص کچھ نہ دے تو اسے نہ دینے کا عیب نہ لگائے اور اگر کوئی دے تو اسے اپنے دل میں بھی بڑا سمجھے اور دوسروں کے سامنے بھی یہی ظاہر کرے۔ اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ دینے والا اپنے عطیہ کو حقیر اور معمولی سمجھے اور لینے والا بڑا سمجھے"(۱)

بہر حال یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ کچھ صورتیں وہ ہیں جن میں مانگنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے اور کچھ صورتوں میں مانگنے کی اجازت ہے۔ لیکن اخفائے حال اور کتمانِ فقر زیادہ بہتر ہے۔ البتہ مالداروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مانگنے والے کو بلا دیئے واپس نہ کریں، کچھ نہ کچھ ضرور دیں۔ اور جو در پر مانگنے نہ آئیں مگر ان کا چہرہ ان کے فقر و فاقہ کی غمازی کر رہا ہو، ایسے فقرء کو تلاش کر کے دینا چاہئے۔ نیز فقراء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بلا ضرورت نہ مانگیں اور دینے والوں کے بالکل پیچھے ہی نہ پڑ جائیں۔ لینے کے بعد ان کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دینے والے کا شکریہ ادا کریں۔ ان کے حق میں دعاء کرتے رہیں۔

مسلمانوں کا اصل مسئلہ

آج ایک اہم بحث یہ چھڑی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کا اصل مسئلہ کیا ہے؟ کچھ لوگ اصل مسئلہ تعلیم کو قرار دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے نزدیک اصل مسئلہ معاش یعنی روزی روٹی اور کپڑے و مکان کا ہے؟ فقر و غنا کے سلسلے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس

(۱) احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۵۶۳۔۱۲

کے نتیجے میں مسلمانوں کا اصل مسئلہ نہ تعلیم بن سکتی ہے نہ ہی معاش، بلکہ ان کا اصل مسئلہ فکرِ آخرت، عقائد واعمال کی درستگی اور اپنے ایمانی تشخص کا برقرار رکھنا ہے، حضور اقدس ﷺ نے بار بار فرمایا ہے کہ میرے نزدیک تمہاری فقر ومحتاجگی باعث خوف وپریشانی نہیں بلکہ خوف وپریشانی اور فکر وتشویش کی چیز یہ ہے کہ تمہارے پاس مال ودولت کی فراوانی ہوجائے۔ دنیا بھر کی دولتیں اور عیش وراحت کی اشیاء تمہیں میسر ہوجائیں (۱)

مسلمانوں کا اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ان کا پیٹ بھرتا ہے یا نہیں؟ ان کے تن پر کپڑا ہے یا نہیں؟ سر چھپانے کے لئے مکان کا انتظام ہے یا نہیں، بلکہ اصل مسئلہ صرف یہ ہے کہ وہ دین پر قائم ہیں یا نہیں، آخرت کی تیاری کررہے ہیں یا نہیں، خود کو خدا اور رسول کے حکموں کے مطابق ڈھال رہے ہیں یا نہیں، بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے مالک ہیں یا نہیں۔ صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین نے بھی ہمیشہ اصل مسئلہ اسی کو سمجھا، یہی وجہ ہے کہ اگر ان کے گھر فاقے ہوتے رہے، بدن ڈھکنے کے لئے کپڑا نہ ملا، رہنے کے لئے مکان میسر نہ آسکا تو انھیں اس کی کوئی خاص فکر نہیں ہوئی اور کبھی اس مسئلہ کو اپنی آخرت کے مسئلے کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں دی۔

دین کے راستے میں قلتِ مال، فقر وفاقہ اور تنگدستی کی زندگی کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ چیزیں تو بندۂ مؤمن کے امتحان کا ذریعہ ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط (بقرہ۔۱۵۵)

ترجمہ:۔ ''ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف سے، کچھ بھوک سے، کچھ مالوں اور جانوں میں کمی کرکے۔''

انسانوں کی تخلیق کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ خدا کی عبادت کریں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ٥ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ٥ (ذاریات۔۵۶تا۵۸)

(۱) بخاری ج ۲ ص ۹۵۱ ۱۲

''میں نے جن اور انسانوں کو اسلئے پیدا کیا تا کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے (مخلوق) پر رزق رسانی نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بیشک اللہ خود ہی سب کو رزق دینے والا اور نہایت طاقت والا ہے۔''

خدا کا حکم یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کرتے رہو رزق کی فکر نہ کرو، رزق کا پہونچانا ہمارے ذمہ ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ٥ (طٰہٰ۔۱۳۲)

ترجمہ:۔اپنے متعلقین کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اسکی پابندی کیجئے۔ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے، معاش کا انتظام تو ہم کریں گے۔اور وہ عاقبت تقویٰ والوں کے لئے ہے۔

مال و دولت اور آلِ واولاد انسان کو خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہے۔ مسلمانوں کو اس معاملہ میں ہوشیار رہنے کی تلقین کی جارہی ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.

(منافقون ۹۔)

ترجمہ:۔اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں (کہیں) اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔''

قرآن کہتا ہے کہ اگر انسان اپنی آخرت سدھارنے کی فکر کرے اور ہر معاملہ میں اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری پریشانیوں اور مصیبتوں جن میں مسئلہ معایش بھی شامل ہے، کا ضامن وکفیل ہے۔

مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حسبه (طلاق۔۳)

ترجمہ:۔''جو اللہ پر بھروسہ کرے گا، اللہ اسکے لئے کافی ہے۔''

ان آیاتِ قرآنی سے بالکل صاف پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا اصل مسئلہ ''معاش'' نہیں، فکرِ آخرت اور اپنے عقائد و اعمال کی درستگی اصل مسئلہ ہے۔ اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھنے کی کوشش ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل نہیں ہوا، تو خواہ سارے مسائل حل

ہوجائیں، گھر میں مال ودولت کا انبار لگ جائے، عیش وآرام کی ہر چیز مہیا ہوجائے، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان ساری چیزوں کی موجودگی کے باوجود انسان اس وقت تک سراسر گھاٹے اور خسارے میں رہے گا جب تک اس کی آخرت کا مسئلہ حل نہ ہوگا۔ اور آخرت کا مسئلہ اس وقت حل ہوگا جب انسان خدا اور رسول کے حکموں کے مطابق اپنے کو ڈھال لے۔ زندگی کے ہر مرحلے میں اسلامی احکام کو جاری وساری کرنے کی کوشش کرے۔

اصل مسئلہ معاش ان لوگوں کا ہے جو اس زندگی کو ہی اصل سمجھتے ہیں، جنھوں نے اپنی زندگی کو کھانے پینے اور عیش وعشرت کی نذر کر رکھا ہے جن کے نزدیک زندگی برائے خوردن (زندگی کھانے کے لئے) ہے۔ لیکن مسلمان کا معاملہ اس قسم کا نہیں ہے۔ مسلمان معاش کا انتظام خوردن برائے زندگی (کھانا زندگی کے لئے) کے نظریئے کے تحت کرتا ہے۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے اور یہی منشائے شریعت۔

فقر وغربت، تنگدستی وبدحالی اصل مسئلہ ہرگز نہیں ہے اصل مسئلہ، فکرِ آخرت اور اپنے دینی تشخص، کے برقرار رکھنے کا ہے۔ خدا ہم سب مسلمانوں کو اس اہم مسئلہ کو سمجھنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)۔

حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی کی

قابل مطالعہ کتابیں

جن کا ہر گھر میں ہونا ضرری ہے

خواتین کیلئے تربیتی بیانات	قیمت-/30
مثالی ازدواجی زندگی کے رہنما اصول	قیمت-/10
ہماری دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات	قیمت-/50
اسلاف کے حیرت انگیز واقعات	قیمت-/60
پریشانیوں کا حل	قیمت-/35
شوق فقیر	قیمت-/60

﴿ملنے کا پتہ﴾

کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

فون: 01336-223294(O), 224556 (R)

فیکس: (01336)222491

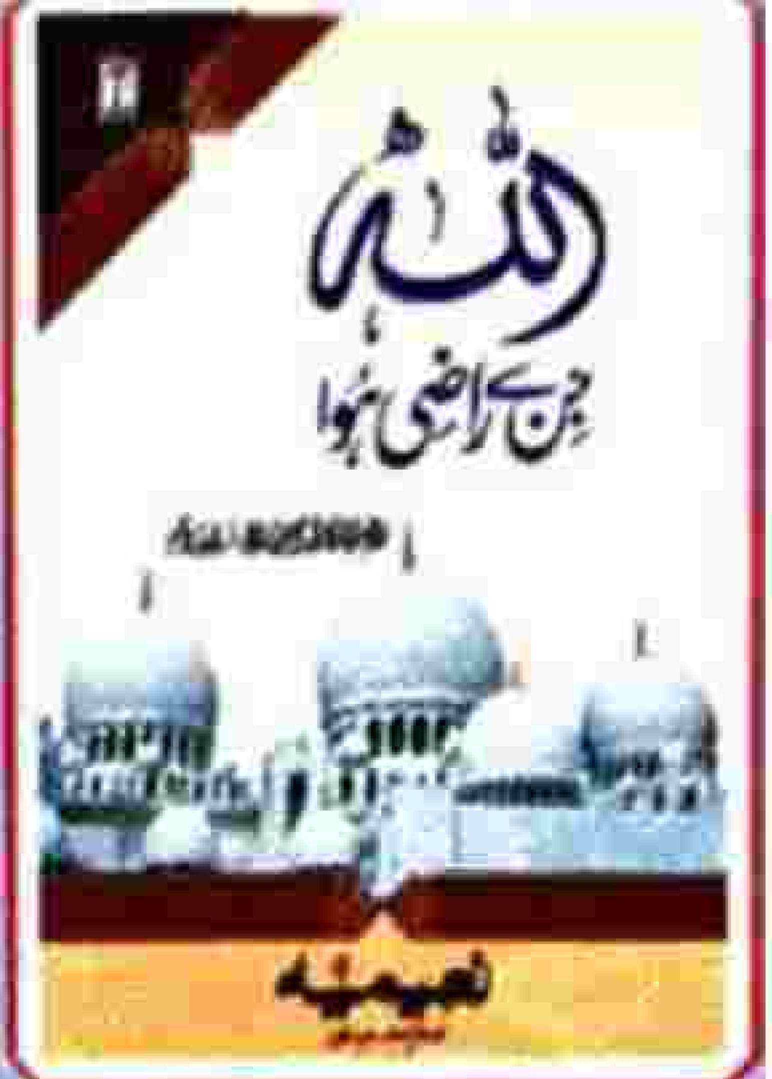
اللہ
جس سے راضی ہوا
نعیمیہ

اللہ
کا
تعارف
نعیمیہ
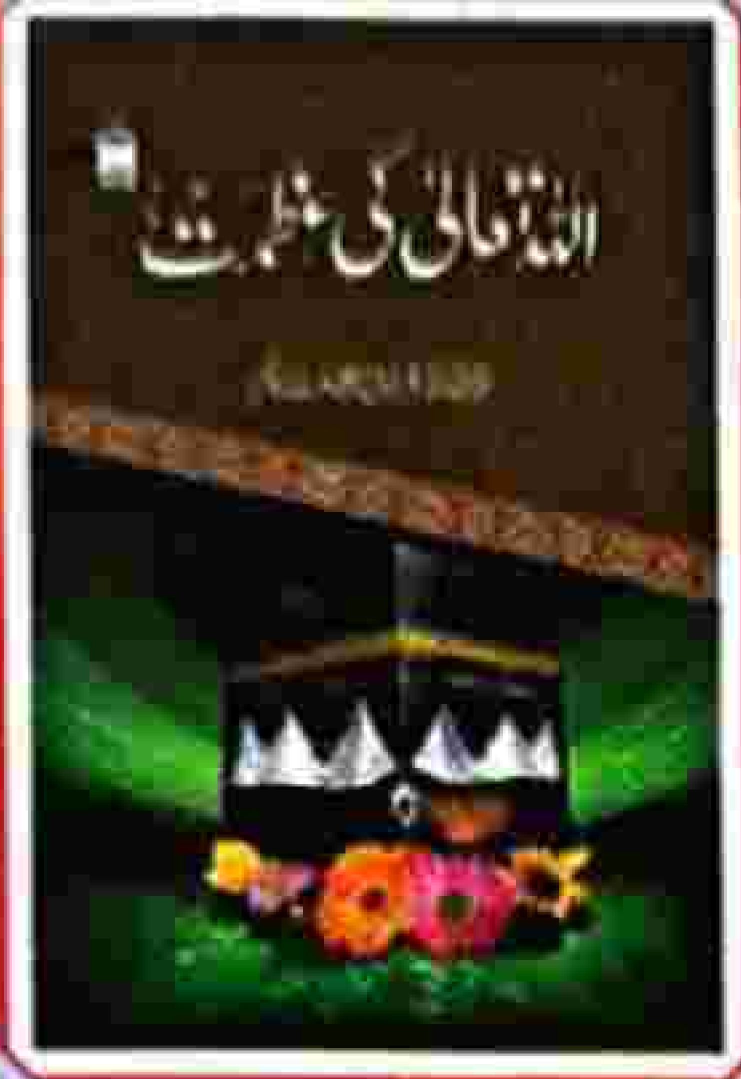
اللہ تعالیٰ کی عظمت
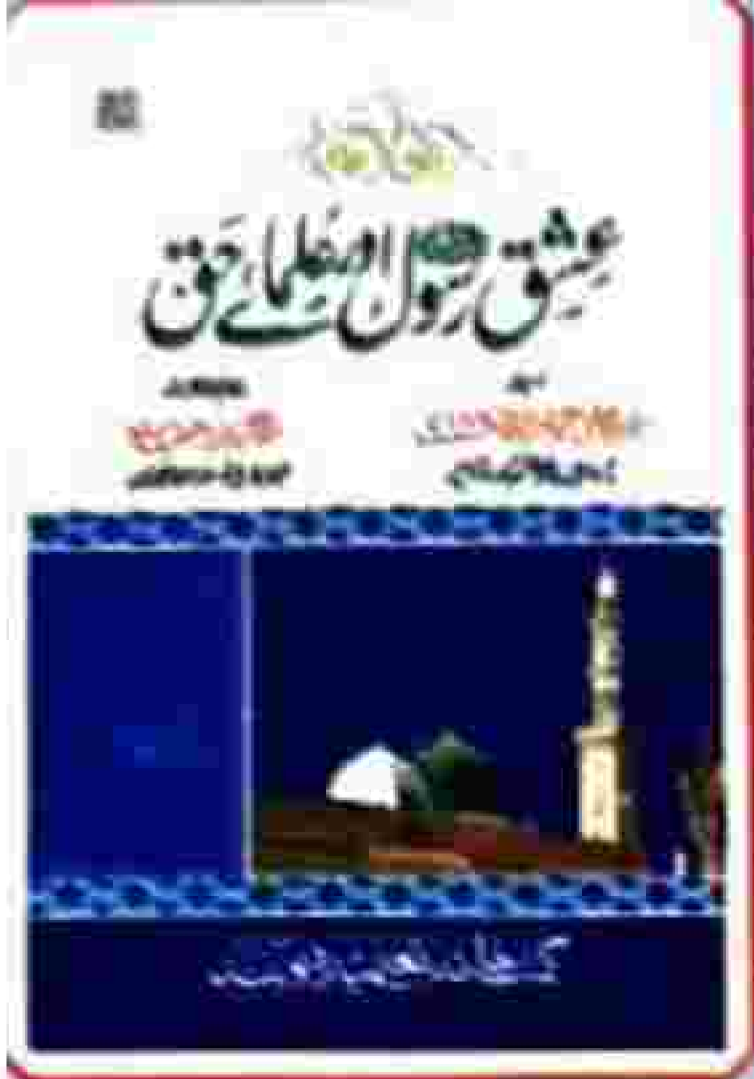
عشقِ رسول اور علمائے حق
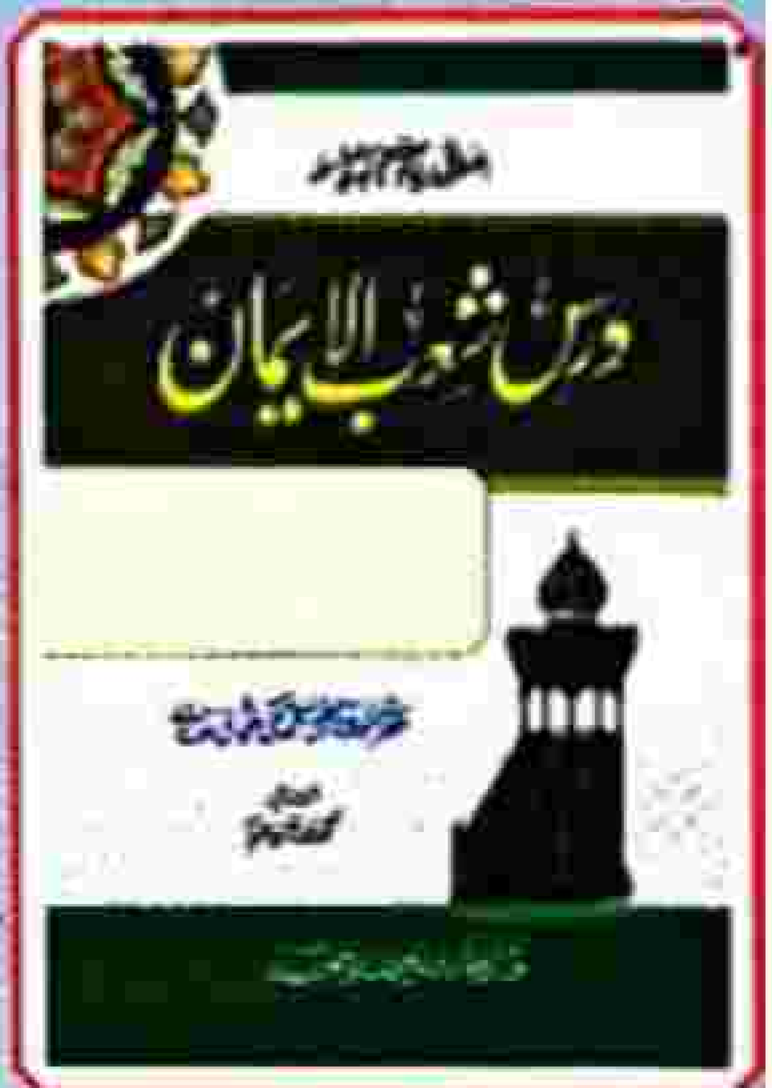
درس شعب الایمان
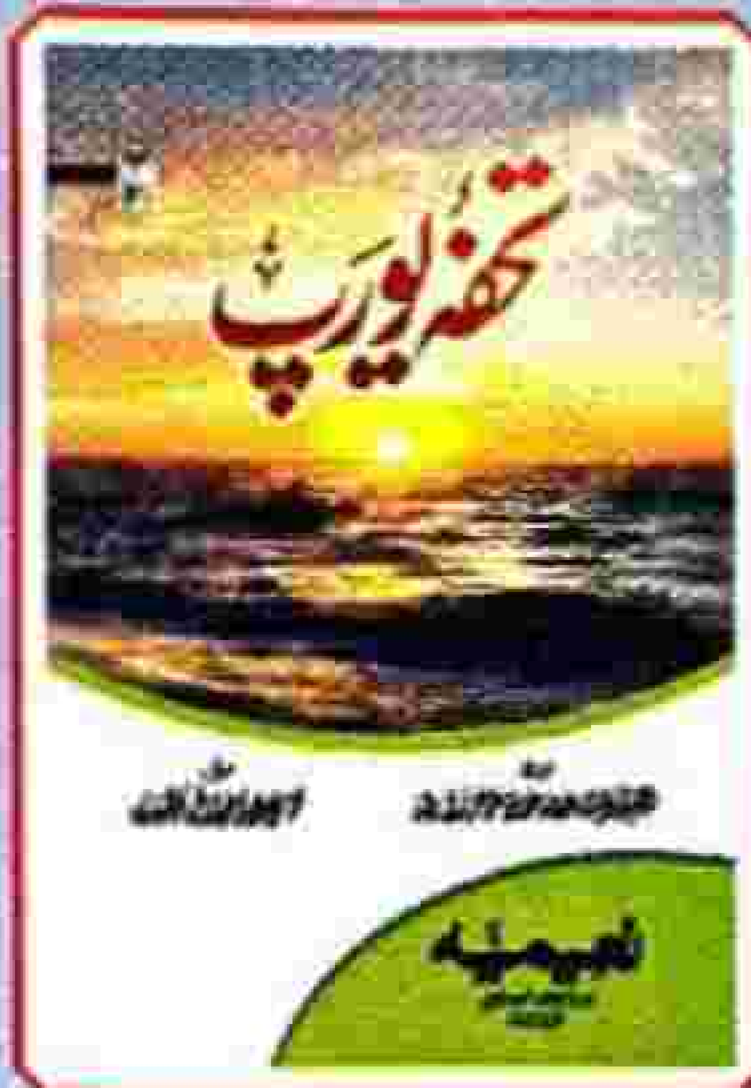
تحفۂ یورپ
نعیمیہ
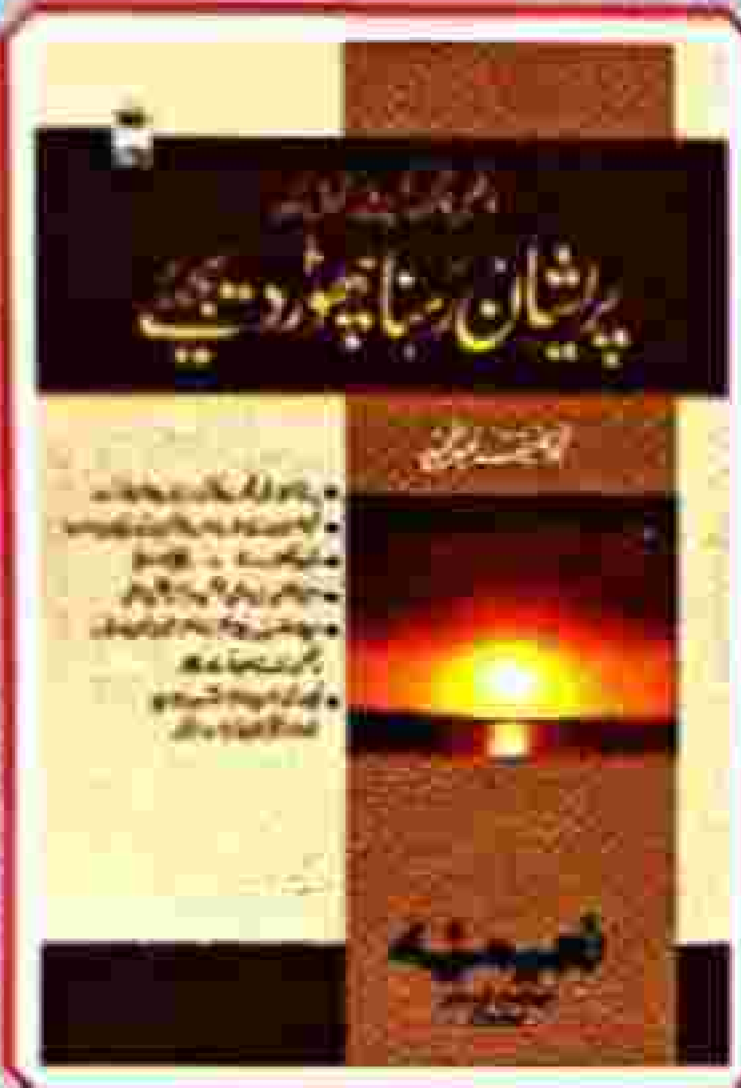
پریشان رہنا چھوڑ دیجیے
نعیمیہ
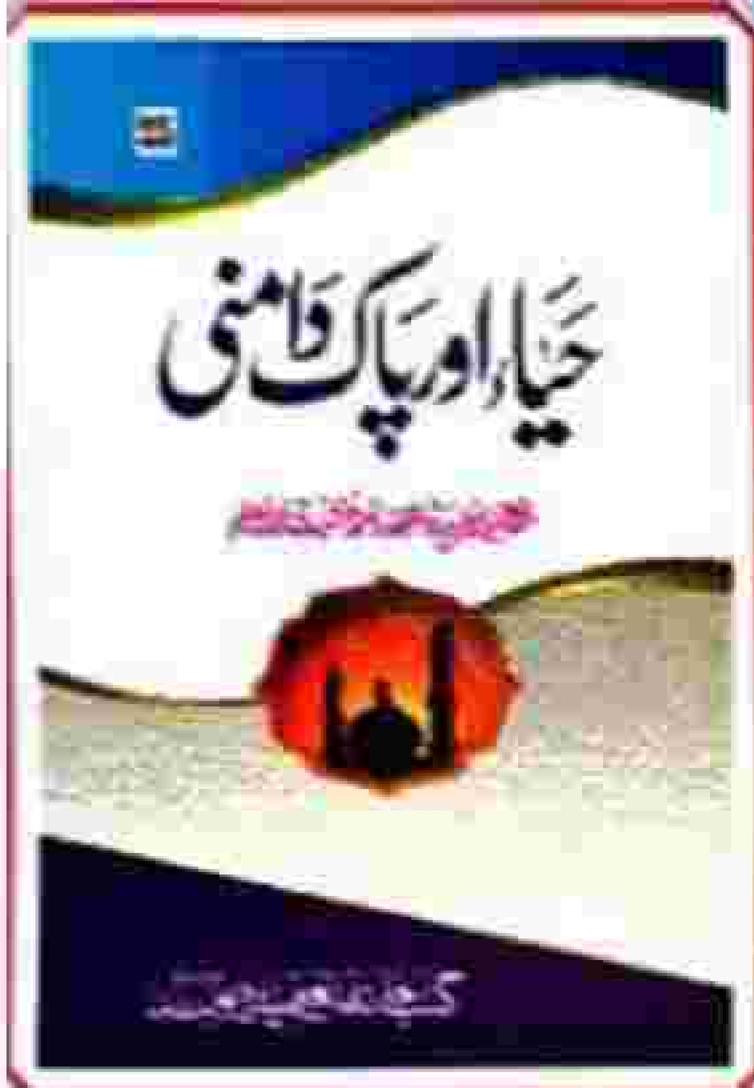
حیا اور پاک دامنی

نکاح و طلاق
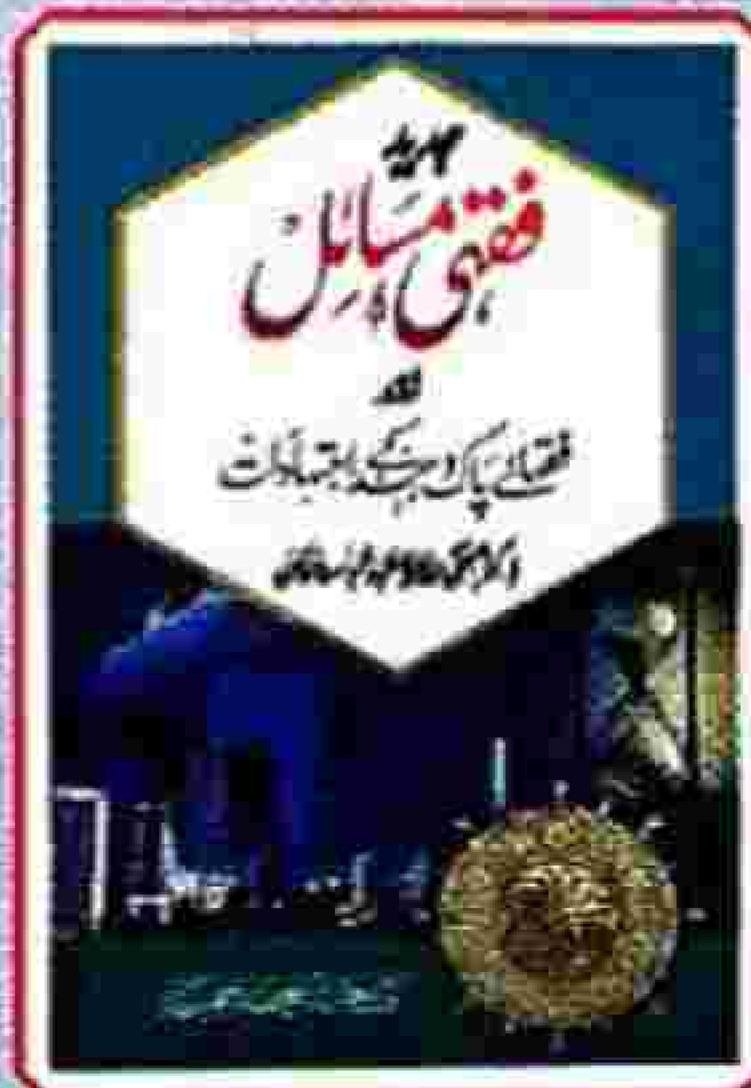
جدید
فقہی مسائل
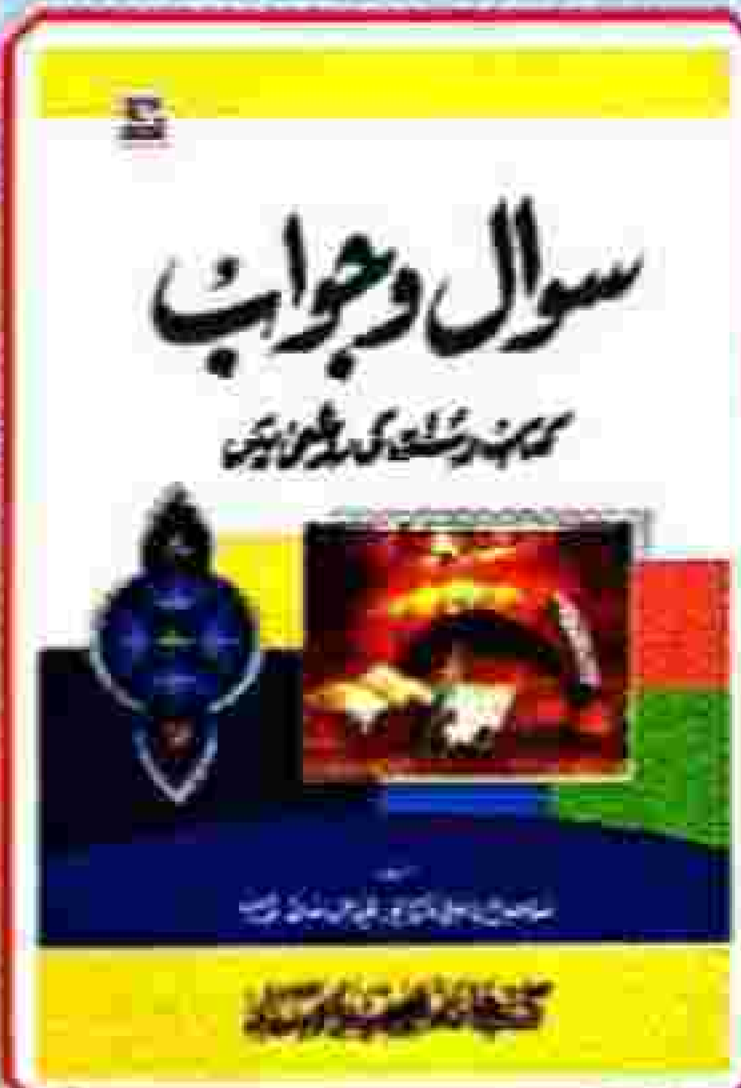
سوال و جواب
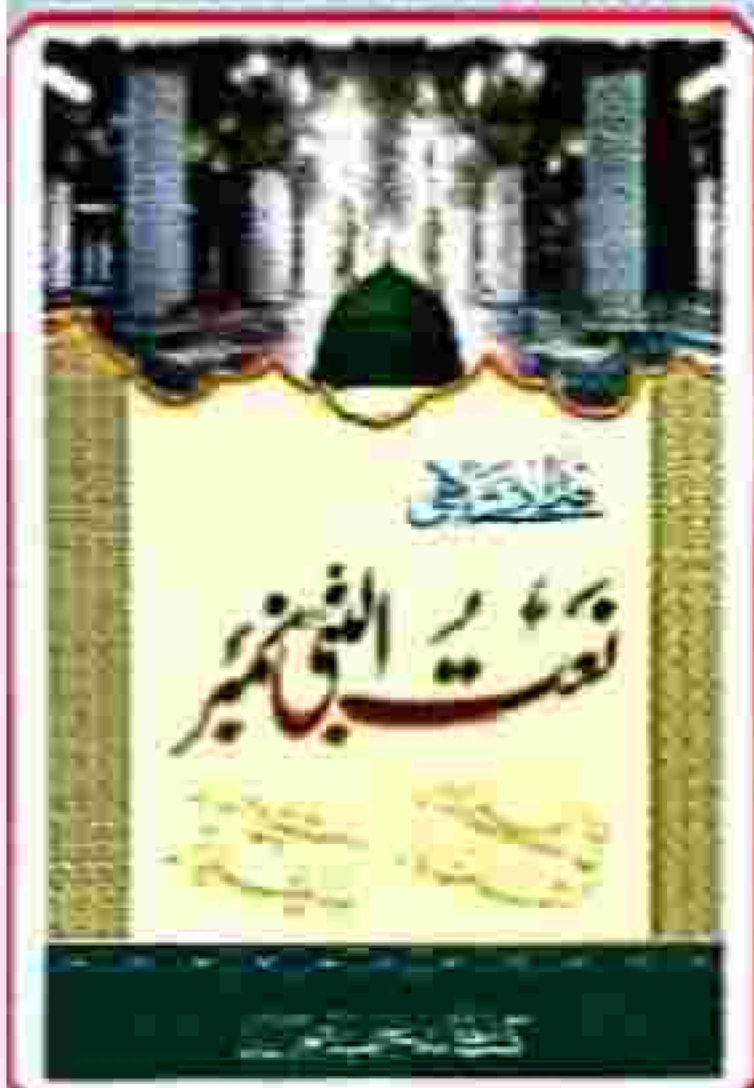
نعت النبی نمبر
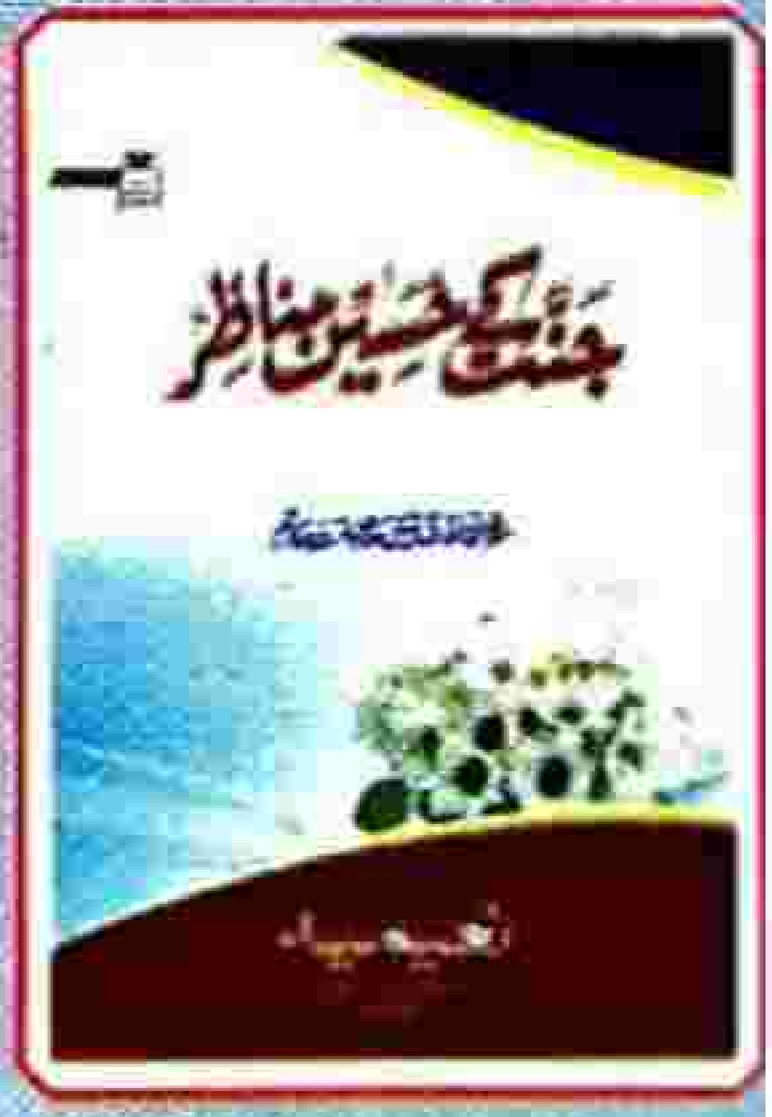
جنت کے حسین مناظر

حکمرانوں سے
خطاب
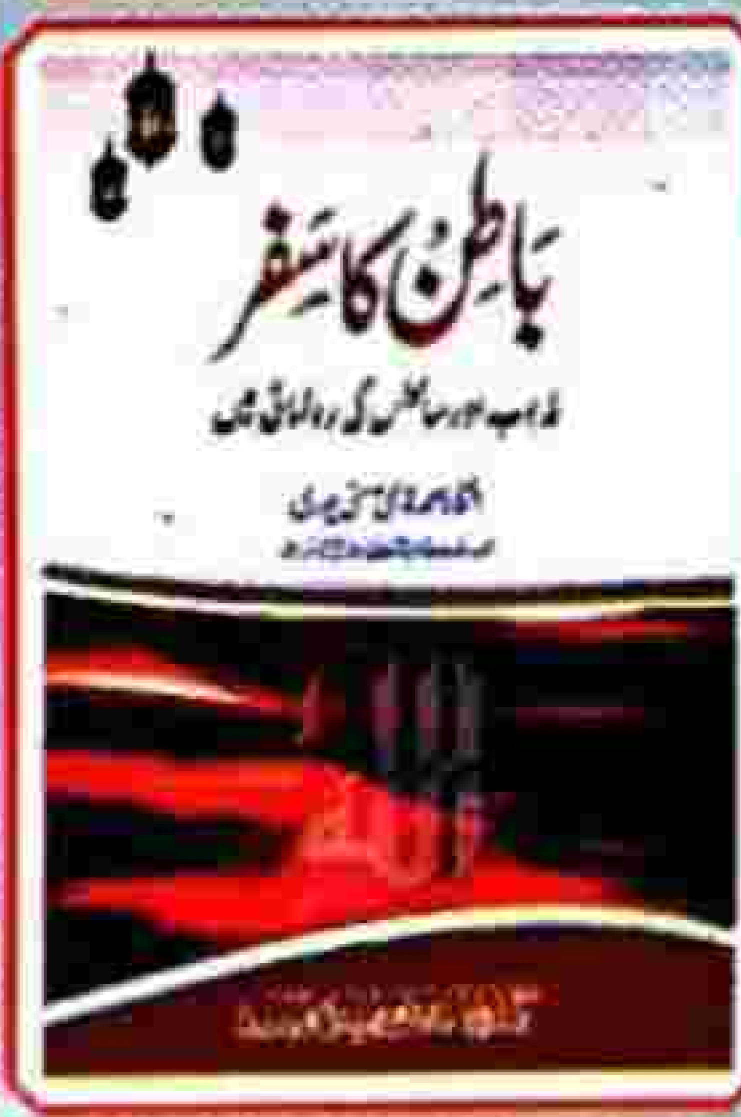
باطن کا سفر

جہنم کے خوفناک مناظر